eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد:13 شمارہ:4 مسلسل شمارہ:58 اکتوبر تا دسمبر 2022ء

★ مسلمان اور تاریخ نویسی
★ تحفۃ الاحوذی کے منہج و اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ
★ آئمہ اربعہ کی نظر میں اہل بیت کا مقام و منزلت
★ حجاب: اسلام اور دیگر ادیان و مذاہب کی تعلیمات میں
★ بچوں کی جسمانی تربیت کے حوالے سے والدین کی ذمہ داریاں
★ بین المذاہب ہم آہنگی سیرتِ طیبہ کے تناظر میں (تجزیاتی مطالعہ)

ناشر: نور تحقیق و ترقی پرائیویٹ لمیٹڈ

Indexed in

www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

https://www.tehqeeqat.org/urdu/journalDetails/132

https://www.ebsco.com/

https://orcid.org/0000-0001-593-4436

Applied for Indexation

https://www.brill.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/

Websites

http://nooremarfat.com

https://www .nmt.org.pk/

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

سہ ماہی تحقیقی مجلہ

نورِ معرفت

جلد:13 شمارہ:4 مسلسل شمارہ:58

اکتوبر تا دسمبر 2022ء بمطابق ربیع الاوّل تا جمادی الاوّل 1444ھ

Applied for Recognition by

Higher Education Commission, Pakistan

مدیر: ڈاکٹر محمد حسنین

ORCID iD: https://orcid.org/0000-0002-1002-153X

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk+noor.marfat@gmail.com

ناشر: نور تحقیق وترقی پرائیویٹ لمیٹڈ

رجسٹریشن فیس پاکستان، انڈیا: 1000روپے؛ مڈل ایسٹ: 70ڈالرز؛ یورپ، امریکہ، کنیڈا: 150 ڈالرز۔

مدیر اعلیٰ و ناشر: سید حسنین عباس گردیزی چیئرمین نور الہدیٰ ٹرسٹ، اسلام آباد۔

مجلس نظامت

مدیر: ڈاکٹر محمد حسنین — پی۔ ایچ۔ ڈی۔ فلسفہ و کلام اسلامی، نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، اسلام آباد۔

معاون مدیر: ڈاکٹر ندیم عباس بلوچ — پی۔ ایچ۔ ڈی، اسلامک اسٹڈیز، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

معاون تحقیقی امور: ڈاکٹر محمد نذیر اطلسی — پی۔ ایچ۔ ڈی۔ علوم قرآن، جامعۃ الرضا (رجسٹرڈ)، اسلام آباد۔

مشاور مدیر: ڈاکٹر ساجد علی سبحانی — پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ادبیات عرب،، جامعۃ الرضا (رجسٹرڈ) اسلام آباد۔

نگران فنی امور: ڈاکٹر ذیشان علی — پی۔ ایچ۔ ڈی، کمپیوٹر سائنسز۔

معاون فنی امور: فہد عبید — ایم۔ ایس (سی۔ ایس)

مجلس ادارت

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد — شعبۂ علوم اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر عائشہ رفیق — شعبۂ علوم اسلامی، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔

ڈاکٹر عبدالباسط مجاہد — شعبۂ تاریخ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر روشن علی — شعبۂ علوم اسلامی، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز، اسلام آباد۔

ڈاکٹر کرم حسین ودھو — شعبۂ ثقافتِ اسلامی، ریجنل ڈائریکٹوریٹ آف کالجز، لاڑکانہ۔

ڈاکٹر علی رضا طاہر — شعبۂ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی — شعبۂ تاریخ، نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔

ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی — شعبۂ اقتصادیات (الٰہی اقتصادیات)، چیئرمین ہادی انسٹیٹیوٹ مظفرآباد، آزاد جموں و کشمیر۔

قومی مجلس مشاورت

ڈاکٹر ہمایوں عباس	شعبۂ علوم اسلامی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد۔
ڈاکٹر حافظ طاہر اسلام	شعبۂ علوم اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر عافیہ مہدی	شعبۂ علوم اسلامی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
ڈاکٹر سید قندیل عباس	شعبۂ بین الاقوامی تعلقات، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر زاہد علی زہدی	شعبۂ علوم اسلامی، یونیورسٹی آف کراچی۔
ڈاکٹر محمد ریاض	شعبۂ علوم اسلامی، بلتستان یونیورسٹی، اسکردو۔
ڈاکٹر محمد شاکر	شعبۂ نفسیات اور انسانی ترقی، یونیورسٹی آف بہاولپور۔
ڈاکٹر محمد ندیم	شعبۂ ایجوکیشن، گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بہاولپور۔
ڈاکٹر رازق حسین	نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔

بین الاقوامی مجلس مشاورت

ڈاکٹر وارث متین مظاہری	شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ ہمدرد، نیو دلی، انڈیا۔
ڈاکٹر سید زوار حسین شاہ	شعبۂ علوم قرآنی و حدیث، انجمن حسینی، اوسلو، ناروے۔
ڈاکٹر سید عمار یاسر ہمدانی	شعبۂ قرآن و قانون، المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی ایران۔
ڈاکٹر غلام رضا جوادی	شعبۂ تاریخ، خاتم النبیینؐ یونیورسٹی، کابل، افغانستان۔
ڈاکٹر جابر محمدی	شعبۂ قرآن اور تربیتی علوم، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔
ڈاکٹر غلام حسین میر	شعبۂ علوم تقابلی حدیث، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔
ڈاکٹر شہلا بختیاری	شعبۂ تاریخ اسلام، جامعۃ الزہراء، تہران، ایران۔
ڈاکٹر فیضان جعفر علی	اردو و فارسی تنظیم، پورہ معروف، ایم۔اے۔یو۔پی انڈیا۔

کمپوزنگ و ڈیزائننگ: بابر عباس

مقالات ارسال فرمائیں

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ "نور معرفت" دینی و سماجی علوم و موضوعات پر مقالات شائع کرتا ہے۔ یہ مجلّہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر معاشرتی رواداری اور ادیان ومذاہب کے درمیان تعمیری مکالمے کی فضا کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عدل وانصاف پر مبنی عالمی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے فکری بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اس مجلے کا ایک اہم ہدف، یونیورسٹیز اور دینی تعلیمی مراکز ومدارس کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان تحقیقی ذوق بیدار کرنا اور ان کے تحقیقی آثار شائع کرنا ہے۔ ایسے مقالات کی اشاعت کو ترجیح دی جاتی ہے جو تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سالمیّت، ملّی یکجہتی اور مذہبی، سماجی رواداری اور محبت کو فروغ دیں اور عصر حاضر کے انسانوں کی عملی مشکلات کا راہ حل پیش کرتے ہوں۔

تفسیر و علوم قرآن، حدیث ورجال، فقہ واصول، فلسفہ وکلام، سیرت وتاریخ، تقابل ادیان، تعلیم وتربیت، ادبیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، تہذیب وتمدن، اسلامی قوانین اور بطور کلی، کسی بھی موضوع پر اسلامی نکتۂ نگاہ سے لکھے گئے مقالات کی مجلّہ ہذا میں اشاعت بلامانع ہے۔ یہ مجلّہ علماء اور دانشور طبقہ کو دعوت دیتا ہے کہ وہ مجلّہ کے Scope کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے قیمتی مقالات اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔ مقالات کی تدوین میں درج ذیل ویب لنک پر دی گئی ہدایات کی مکمل پابندی کی جائے:

https://nmt.org.pk/author-guidelines/

تمام مقالہ نگاروں سے گذارش ہے کہ اپنے مقالات درج ذیل ویب لنک پر Submit کروائیں:

https://nooremarfat.com/index.php/Noor-e-marfat/about/submissions

ضروری نوٹ:

مجلّہ نور معرفت میں شائع ہونے والے مقالات کے مندرجات کی ذمہ داری خود مقالہ نگاروں پر ہے۔
مجلّہ کا مقالات کے تمام مندرجات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مقالہ نگار	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	6
۲	بین المذاہب ہم آہنگی سیرتِ طیبہ کے تناظر میں (تجزیاتی مطالعہ)	محمد اشفاق	8
۳	بچوں کی جسمانی تربیت کے حوالے سے والدین کی ذمہ داریاں	ڈاکٹر مسلم	25
۴	آئمہ اربعہ کی نظر میں اہل بیتؑ کا مقام و منزلت	ڈاکٹر قیصر عباس	43
۵	حجاب: اسلام اور دیگر ادیان و مذاہب کی تعلیمات میں	سیدہ شمائلہ رباب رضوی	63
۶	مسلمان اور تاریخ نویسی	استاد رسول جعفریان	83
۷	تحفۃ الاحوذی کے منہج و اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر شبیر حسین	99
120	Editor	Editorial	۸

اداریہ

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ نور معرفت کا شمارہ 58 پیش خدمت ہے۔ اس شمارے کا پہلا مقالہ "بین المذاہب ہم آہنگی سیرتِ طیبہ کے تناظر میں- ایک تجزیاتی مطالعہ" کے عنوان سے مزین ہے۔ اس مقالے کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کو امن، محبت اور ہم آہنگی کا درس دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول گرامی اسلام ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں مسلمانوں کے لئے دیگر مذاہب و ادیان کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری سے پیش آنے کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے ہر ایسی حرکت و کردار کا سدّ باب کریں جو انسانی سماج میں انارکی، تشدد، تنگ نظری اور مذہبی منافرت کا موجب بنے۔

دین اسلام میں بچوں کو کمال حقیقی تک پہنچانے کے لیے، معنوی ہدایات کے علاوہ بچوں کی مادی ضروریات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ اسلام کے مطابق بچوں کے جسمانی رشد کے لئے والدین کی مہم ترین ذمہ داریوں میں یہ شامل ہے کہ وہ بچوں کی مادی اور طبیعی ضروریات کو پورا کریں اور ان کی غذا، کھیل، کود اور نشو ونما کا خاص خیال رکھیں۔ انہیں جدید زمانے کی مہارتیں سکھائیں۔ اس موضوع کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی غرض سے اس شمارے کا دوسرا مقالہ "بچوں کی جسمانی تربیت کے حوالے سے والدین کی ذمہ داریاں- قرآن اور احادیث کی روشنی میں" کے عنوان سے مزین ہے۔ اس مقالہ میں قرآن اور احادیث کی روشنی میں والدین کی بچوں کی جسمانی اور مادی ضروریات کو پورا کرنے کے حوالے سے ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔

اس شمارے کے تیسرے مقالے کا تعلق مسلمانوں کی ایک دینی ذمہ داری سے ہے۔ کتاب الٰہی اور سنّت نبوی میں مسلمانوں کو اہلِ بیت رسول ﷺ سے محبت و مودّت کا واضح حکم دیا گیا ہے۔ بد قسمتی سے بعض مسلمان جس طرح انہیں اہل بیت رسول اور بالخصوص ائمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام سے اظہار محبت اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، ان ہستیوں سے ویسی محبت کرنے اور ان کی اطاعت میں سستی دکھاتے ہیں۔ اس شمارے کے تیسرے مقالے میں "آئمہ اربعہ کی نظر میں اہل بیت علیہم السلام کی فضیلت و برتری" کے عنوان کے تحت فقہی اعتبار سے مسلمانوں کے چار بڑے آئمہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کی ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے وابستگی کو اجاگر کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک ائمہ اہل بیت ہی وہی ذوات والا صفات ہیں جو فضائل و مناقب میں سب سے برتر اور اطاعت کے حق دار ہیں۔

موجودہ شمارے کے چوتھے مقالے کا موضوع پردہ ہے۔ اس مقالے میں "حجاب: اسلام اور دیگر ادیان و مذاہب کی تعلیمات میں" کے عنوان کے تحت انسانی عفت کی حفاظت کے موثر ترین عامل کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس

مقالے کا مدعا یہ ہے کہ حجاب صرف ایک کپڑے کا ٹکڑا نہیں، یہ تو باعفت زندگی کی حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حجاب کی حفاظت فقط دین مبین اسلام کا حکم نہیں، بلکہ یہ تو انسان ضمیر کی آواز اور ادیان عالم کا حکم ہے۔ اکثر مذاہب کے مطابق حجاب عورت کی شائستگی اور اس کی ضرورت ہے۔

"مسلمان اور تاریخ نویسی" کے عنوان کے تحت موجودہ شمارے کا پانچواں مقالہ استاد رسول جعفریان کی کتاب "تاریخ سیاسی اسلام-سیرتِ رسول خداﷺ" کے مقدمہ کے اُس حصے کا ترجمہ ہے جس میں مولف نے مسلمانوں کی تاریخ نگاری پر انتہائی جامع تحریر رقم فرمائی ہے۔ اس مقالے میں اسلام سے قبل عربوں کی تاریخی ذہنیت اور تاریخی میراث، ظہورِ اسلام کے بعد مسلمانوں کے ہاں تاریخ نگاری کی اہمیت، مسلمان حکمرانوں کی تاریخ نگارہ پر توجہ، عربوں پر دیگر اقوام کی تاریخی تحریروں کے اثرات، مسلمانوں کے ہاں تاریخ نگاری کی مختلف اقسام، نیز مسلمانوں کی سیرت نگاری اور سوانح نگاری اور تاریخ نگاری کی اقسام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مقالہ مسلم تاریخ پر کام کرنے والوں کے لئے تاریخ میں تحقیق کی بہترین روش فراہم کرتا ہے۔

"تحفۃالاحوذی شرح جامع ترمذی- مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے منہج کا تجزیاتی مطالعہ" کے عنوان سے اس شمارے کا آخری مقالہ کتاب شناسی کے فن سے مربوط ہے۔ اس مقالہ میں ایک خبیر محدث کی حیثیت سے جناب عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارکپوری کی جامع ترمذی کی شرح کے امتیازات بیان کیے گئے ہیں۔ مقالہ نگار کے مطابق جامع ترمذی کے راویوں کے تراجم، احادیث کی تخریج، تصحیح و تحسین میں امام ترمذی کے تساہلات کی نشاندہی، متنی مشکلات کی وضاحت، احادیث کی نادرست تاویلات کی نشاندہی اور اختلاف مذاہب میں مذہب حق کی نشاندہی اِس کتاب کی عمدہ خصوصیات ہیں۔

ان 6 علمی، تحقیقی مقالات پر حاوی مجلّہ نور معرفت کا یہ شمارہ بھی یقینا ہمارے قارئین کی علمی پیاس بجھانے کا موجب بنے گا۔ ہم اللہ تعالی کی بارگاہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ذات، مقالہ نگاروں اور مجلّہ کی ٹیم کو اس پیش کش پر بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے اور ہمارے قارئین کے نورِ علم و بصیرت میں اضافہ فرمائے۔ آمین!

مدیر مجلّہ،
ڈاکٹر محمد حسنین نادرؔ

بین المذاہب ہم آہنگی سیرتِ طیبہ کے تناظر میں

(ایک تجزیاتی مطالعہ)

Interfaith Harmony in the Context of *Sirah-e Taiba*

(An Analytical Study)

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Muhammad Ishfaq
Theology Teacher, ESE Department, Abbottabad, KPK.
E-mail: ishfaqkiani88@gmail.com

Dr. Sada Hussain Alvi
Theology Teacher, ESE Department, Abbottabad, KPK.
E-mail: aghaalvi@gmail.com

Abstract:
Human civilization and culture is based on globalization. All the Prophets (peace be upon them) taught peace, love and harmony to their nations during their times. It was full of barbarism, violence, narrow mindedness and religious hatred. The lives of those who converted to Islam were filled with misery and severe punishment for religious bigotry. In his biography, he not only emphasized on religious harmony but also eradicated narrow-mindedness and religious hatred. Religious hatred and narrow-mindedness were on the rise. It was pointed out that what attitude should a Muslim take towards the followers of other religions and sects in the society so that the society could possess higher moral values than the Holy Prophet?

No other personality can do that. If you look at the current world situation It is clear that the whole of humanity is mired in the mire of violence, hatred and religious extremism, and that religious extremism has diverted humanity from the path of

moderation. Therefore, in view of these difficult circumstances, In the present research, keeping in view the Sira of Tayyiba, we will examine different situations and events, how we can benefit from his teachings and play our role in building a peaceful society.

Key Words: Interfaith, Harmony, Seerah, Tolerance.

خلاصہ

انسانی تہذیب و تمدن کی بنیاد گلوبلائزیشن پر ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے دور میں اپنی قوموں کو امن، محبت اور ہم آہنگی کا درس دیا۔ یہ دَور بربریت، تشدد، تنگ نظری اور مذہبی منافرت سے بھرا ہوا تھا۔ اسلام قبول کرنے والوں کی زندگی مصائب سے بھری ہوئی تھی اور مذہبی تعصب کی سخت سزا تھی۔ انہوں نے اپنی سوانح حیات میں نہ صرف مذہبی ہم آہنگی پر زور دیا بلکہ تنگ نظری اور مذہبی منافرت کو بھی ختم کیا۔ مذہبی منافرت اور تنگ نظری عروج پر تھی۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ایک مسلمان کو معاشرے میں دیگر مذاہب اور فرقوں کے ماننے والوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ معاشرہ رسول سے اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہو؟ کوئی دوسری شخصیت ایسا نہیں کر سکتی۔ موجودہ عالمی حالات پر نظر دوڑائیں تو واضح ہوتا ہے کہ پوری انسانیت تشدد، نفرت اور مذہبی انتہا پسندی کی دلدل میں دھنسی ہوئی ہے اور مذہبی انتہا پسندی نے انسانیت کو اعتدال کی راہ سے ہٹا دیا ہے۔ لہٰذا ان مشکل حالات کے پیش نظر موجودہ تحقیق میں سیرت طیبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف حالات و واقعات کا جائزہ لیں گے کہ ہم ان کی تعلیمات سے کس طرح مستفید ہو سکتے ہیں اور ایک پرامن معاشرے کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

کلیدی کلمات: بین المذاہب، ہم آہنگی، سیرت، رواداری۔

بین المذاہب ہم آہنگی کے بنیادی مفاہیم کی وضاحت

بین المذاہب ہم آہنگی کی اصطلاح ہی سے اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ تمام مذاہب کے مابین امن و آشتی اور صلح و محبت کی فضا کا قائم کرنا اور امن و سکون لانا اور لوگوں کے درمیان مثبت انداز میں فروغ دینا۔ بین المذاہب ہم آہنگی زندگی جینے کی ترغیب دیتی ہے اور اسی کی بدولت تمام مذاہب کے ماننے والے امن و سکون سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ بین المذاہب ہم آہنگی کا مقصد مذاہب کے مابین ہم آہنگی ہے۔ ہم بین المذاہب ہم آہنگی کے ذریعہ

دوسروں کو محبت، انصاف اور ہمدردی کا درس دے سکتے ہیں۔ بین المذاہب ہم آہنگی جیو اور جینے دو کی پالیسی کے تصور کو جنم دیتی ہے۔

بین المذاہب ہماہنگی کے ثمرات و فوائد

بین المذاہب ہم آہنگی ہی کے ذریعہ مختلف مذہبی عقائد کے پیروکاروں کے مابین معاشی عدم توازن اور پرامن بقائے باہمی کو ممکن بنایا جاسکتا ہے اور بین المذاہب ہم آہنگی ہی ایک ایسا آلہ ہے کہ جو امن اور خوشحالی کے لئے آگے بڑھنے کا راستہ ثابت ہوسکتا ہے۔ بین المذاہب ہم آہنگی جتنی مضبوط ہو گی اُسی قدر ہم ترقی یافتہ ہوں گے۔ انسانی تاریخ میں بین المذاہب ہم آہنگی ہمیشہ سے ہی ترقی اور خوشحالی کے لئے اہمیت کی حامل رہی ہے۔ جن معاشروں میں مختلف مذاہب اور عقائد کے ماننے والوں کے درمیان ہم آہنگی تھی، وہاں انسانی فلاح و بہبود کی پیش قدمی تھی۔ بین المذاہب ہم آہنگی کا موضوع ہمارے معاشرے کے حساس موضوعات میں سے شمار ہوتا ہے کہ جس سے صرفِ نظر نہیں کی جاسکتی ہے لیکن بدقسمتی سے اس موضوع پر بات کرنے سے ہر کوئی گریزاں دکھائی دیتا ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی کے بغیر معاشرے میں مذہبی آزادی کا حصول تقریباً ناممکن ہے۔ اگر ایک عقیدہ رکھنے والا گروہ دوسرے گروہ کے عقائد و نظریات کو برداشت نہیں کرتا تو اس گروہ کے ارکان بغیر کسی خوف کے کیسے عبادت کر سکتے ہیں؟ لہٰذا بین المذاہب ہم آہنگی کی خواہش مذہبی آزادی کے حصول کے لئے ایک اہم مقصد ہے۔ بین المذاہب مصروفیت لوگوں کو عقیدے اور نظریاتی خطوط پر متحد کرتی ہے اور باہمی اعتماد، مشترکہ اقدار اور افہام و تفہیم کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ مذہبی آزادی اور رواداری ایک بہتر دنیا کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زمین پر پانچ میں سے چار لوگ اپنے آپ کو کسی نہ کسی مذہبی روایت سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ اور روایت کے ساتھ موافقت نہ کرنے کا فیصلہ کرنے کے قابل ہونا بھی ایک اہم آزادی ہے۔ مذہبی تعلیمات اور عقائد پوری دنیا کے لوگوں کی اقدار، اعمال، انتخاب اور خیالات کو متاثر کرتے ہیں۔

بین المذاہب ہماہنگی کے بنیادی عناصر

مذہبی ہم آہنگی کے جدید تصور کی تعمیر اور فروغ ضروری ہے تاکہ درپیش چیلنجز کا مقابلہ کیا جاسکے۔ عالمگیریت کی دنیا میں مذہبی تنوع اور اختلافات کو تسلیم کرنے کی بنیاد پر تمام مذاہب بات چیت کے ذریعہ باہمی افہام و تفہیم اور ہمدردی کو بڑھانا چاہیے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے ذریعہ امن اور انصاف کو برقرار رکھنا، اور بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینا مذہبی طبقہ اور وسیع تر معاشرہ کے اصول کو فروغ دینا ضروری ہے۔ یکسانیت" اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں اور مشترکہ طور پر سماجی ذمہ داریوں کو نبھائیں اور مذہبی انتہاپسندی سے خود کو بچانا چاہیے۔ بین الثقافتی اور کثیر المذہبی معاشروں میں تنازعات کی روک تھام اور سماجی امن کے قیام کے لئے

مذہبی مکالمے کو ایک عامل کے طور پر سمجھنے کے بارے میں عوامی بیداری میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک طویل عرصے سے، مذہب پر بحث اس خیال کی خصوصیت تھی کہ مغربی معاشروں کی بڑھتی ہوئی سیکولرازم عوامی جگہوں سے مذہب کو بتدریج ہٹانے کا باعث بنے گی۔ تاہم، پچھلی دہائی نے امن کی تعمیر کے لئے ایک عامل کے طور پر عوامی بحث میں مذہب کو واپس کیا۔

ایک واضح حقیقت ہے کہ عملاً مختلف اقسام کے مذہبی گروہ پائے جاتے ہیں کہ جن کے عقائد و نظریات آپس میں ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ پس ایسے گروہوں کے مابین مذہبی رواداری اور ہم آہنگی کیسے ممکن ہو گی۔ اس مسئلہ کا ایک حل تو یہ ہے کہ اس بات کا یقین کیا جائے کہ تمام مذاہب بنیادی طور پر ایک ہی ہیں اور یہ تمام کے تمام مختلف راستوں کے ایسے راہی ہیں کہ جن تمام کی منازل ایک ہی ہیں لیکن دینِ اسلام اس نظریہ کو قبول نہیں کرتا اور یہ بات تجربات سے ثابت ہے کہ اس طریقے سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے کی جانے والی کوششیں اکثر ناکام رہی ہیں۔ چنانچہ بادشاہ اکبر نے بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے لئے ہی ایک خود ساختہ مذہب "دینِ الٰہی" کی بنیاد رکھی لیکن وہ بُری طرح ناکام ہوا۔ بین المذاہب ہم آہنگی جیسے اہم موضوع پر دینِ اسلام کا نقطہ نظر اہم اور حقائق پر مبنی ہے کیونکہ دین اسلام نظریاتی اختلافات کو قبول کرنے کے بعد ایک دوسرے کے لئے رواداری اور نرم گوشہ رکھنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

اسلام اور بین المذاہب ہم آہنگی

دینِ اسلام کی نگاہ میں ہم آہنگی کا اصول ایک ایسا اصول ہے کہ جس کی افادیت تاریخی ہے اور ماضی میں جب کبھی بھی مذہبی رواداری موجود رہی ہے اُس کی بنیاد اتحاد پر تھی نہ کہ اختلافات پر۔ اگرچہ دینِ اسلام حقیقت کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے لیکن روزمرہ کے معاملات میں یہ رواداری کے عمل پر یکساں زور دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں رواداری کا اصول مسلسل رہا ہے۔ اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دینے کے حوالے سے اسلام نے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ واحد قابل عمل حل ہے۔ کوئی بھی متبادل تجویز، خواہ وہ کتنی ہی پرکشش نظر آئے، یا تو ناقابل عمل یا غیر نتیجہ خیز ہو گی۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اور دنیا میں جب کبھی بھی مذہبی رواداری اور ہم آہنگی کی بات ہوئی تو دینِ مبینِ اسلام کے نظریات اور آراء ہی کو برتری ملی کیونکہ مذاہب کے مابین امن و آشتی اور رواداری کے لئے جو کردار اسلام نے ادا کیا وہ شاید ہی کسی اور مذہب نے ادا کیا ہو۔ محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی سیرت سے ہم آہنگی اور رواداری کی جو مثالیں ملتی ہیں وہ دنیا کے کسی اور مصلح کی تعلیمات میں موجود نہیں ہیں۔ اس حقیقت سے چشم پوشی ممکن نہیں ہے کہ مذاہبِ عالم کے درمیان بے شمار

بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں کہ جن کو مطالعہ مذاہب سے جانا جاسکتا ہے۔ ہم آہنگی اور رواداری کے بارے میں دین اسلام کا موقف بڑا واضح ہے کہ یہی وہ دین ہے کہ جو صدیوں سے الٰہی دین کے طور چلا آرہا ہے اور اسی دین کی تعلیمات تمام الٰہی نمائندے پیش کرتے رہے لیکن مرورِزمان کے ساتھ ساتھ ان تعلیمات میں تحریفات ہوتی چلی گئیں۔ بالآخر یہی دین پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر دوبارہ نازل ہوا اور آپ ﷺ کو اس سلسلہ کی آخری اور حتمی کڑی شمار کیا گیا اور آپ ﷺ پر ایسی کتاب نازل کی گئی کہ جو قیامت تک کے لئے دائمی اور ابدی ہدایت کا ذریعہ بن گئی اور یہی وہ واحد آسمانی کتاب ہے کہ جو مکمل طور پر محفوظ و مصون ہے۔ قرآن مجید ایسی لاریب اور بے عیب کتاب ہے کہ جس کی تفسیر خود پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت اور سنت سے ہوتی ہے اور تمام تر دنیاوی اور اخروی بھلائیاں صرف اسی کتاب پر عمل کرنے سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ اس بات کی وضاحت قرآن مجید میں یوں کی گئی ہے کہ:

قُلْ یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَیْکُمْ جَمِیعًا (158:7)

ترجمہ: "فرمادیں کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

پھر ارشاد ہوا کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیرًا وَنَذِیرًا وَلَکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُونَ (28:34)

ترجمہ: "ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

آنحضرت ﷺ پر سلسلہ نبوت و رسالت کے خاتمہ کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا کہ:

مَّا کَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُمْ وَلَکِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّینَ وَکَانَ اللهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیمًا (40:33)

ترجمہ: "محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

پھر تمام بنی نوعِ انسان کو آپ ﷺ پر صدقِ دل سے ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور اسی کو خیر کہا گیا ہے اور سرکشی کرنے والوں کے لئے نقصان کا اعلان یوں کیا گیا ہے کہ:

یَا أَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّکُمْ فَآمِنُوا خَیْرًا لَّکُمْ وَإِن تَکْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیمًا حَکِیمًا (170:4)

ترجمہ: "اے لوگو! تمہارے پاس رسول ﷺ تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آیا ہے۔ پس تم (اس پر) ایمان لاؤ، اسی میں تمہاری بہتری ہے لیکن اگر کفر کروگے تو (یاد رکھو) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

مذاہب کے بنیادی عقائد و نظریات کے انسانی زندگیوں پر بڑے اثرات ہوتے ہیں کہ جن سے انسان اپنے لئے زندگی گزارنے کے رہنما اصول مقرر کرتا ہے اور پھر انہی اصولوں کے مدِ نظر اپنی ساری زندگی گزارتا ہے۔ دنیا میں موجود تمام مذاہب میں بجا لانے والی عبادات اُس مذہب کے پیروکاروں کے عقائد و نظریات کے تابع ہوتی ہیں۔ عقیدہ ہی کی بنیاد پر معاشرہ اور اس میں موجود تمام رسوم و رواج، لین دین، اخلاقیات، قوانین و ضوابط اور حقوق و فرائض کے معیارات مقرر ہوتے ہیں کہ جن کا دوسرا نام شریعت ہے۔ مذہب ہی کی بدولت ہر شخص کو ایک خاص پہچان عطاء ہوتی ہے اور ہر شخص دوسرے سے منفرد نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام نمائندوں کو اپنے پیغام کی صورت میں اپنی شریعت اور قانون بھی دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن مجید میں بعض مقامات پر دیگر الہامی کُتب میں موجود بعض قوانین اور ضوابط کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ جو مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کو دیئے گئے تھے اور جن پر کاربند رہنے کا اُن انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا تھا۔ پیغمبر آخرالزمان ﷺ سے پہلے والے الٰہی نمائندوں کو دی جانے والی شریعتیں انہی کے دور، ماحول اور وقت کے لئے تھیں اور آپ ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی وہ پہلی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور اُن پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا گیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (18:45)

ترجمہ: "ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں شریعت دے دی ہے۔ اب آپ اس کی اتباع کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں جو جانتے نہیں ہیں۔"

چونکہ دینِ اسلام دعوت و تبلیغ کا دین ہے اور دعوت و تبلیغ کی بنیاد مکالمہ بین المذاہب پر ہے اور مکالمہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو دین کی دعوت دینے کا دوسرا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ بین المذاہب مکالمہ کی ایسی عظیم بنیاد رکھی کہ جو فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے مکالمہ کا آغاز اپنی ذاتی زندگی سے فرمایا اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے بہت سے عملی نمونے بھی قائم فرمائے۔ اپنے ماننے والوں کو مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم دیا تاکہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے تبادلہ خیالات کیا جاسکے اور اُن کے سوالات اور خطوط وغیرہ کے مناسب جوابات دیئے جاسکیں اور اُن کے نظریات کو رد کیا جاسکے لہٰذا اس سلسلہ میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ:

فتعلمت کتابھم ما مرت بی خمس عشرۃ لیلۃ حتی حذقتۃ و کنت اقراء لہ کتبھم اذا کتبوا الیہ و اجیب عنہ اذا کتب۔[1]

ترجمہ: "پس میں نے اُن کی زبان (سریانی) میں لکھنا سیکھ لیا۔ ابھی پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہو گیا اور جب یہود کا کوئی خط آپ ﷺ کی بارگاہ میں آتا تو میں آپ ﷺ کو پڑھ کر سنا دیتا اور اس کا جواب بھی لکھتا۔"

سیرتِ طیبہ اور بین المذاہب ہم آہنگی

سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ جب بھی دیگر مذاہب کے لوگوں کو پکارتے تھے تو آپ ﷺ نے اُن کے لئے اہلِ کتاب کی اصطلاح مقرر فرما رکھی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی یہ حتمی کوشش ہوا کرتی تھی کہ مسائل و مشکلات کا حل مل بیٹھ کر، امن و آشتی اور صلح سے نکالا جائے اور کسی بھی موقع پر جنگ و جدال سے اجتناب برتی جائے۔ اس سلسلہ میں قرآنی حکمتِ عملی بھی یہی ہے کہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جائے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (3:64)

ترجمہ: "فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنا لے اللہ کے سوا۔"

نبی اکرم ﷺ کو جو دین دے کر بھیجا گیا وہ ہر لحاظ سے کامل اور جامع دین ہے اور آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ بھی انتہائی جامع تھی یہی وجہ ہے کہ گذشتہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کے سارے کمال اور خوبیاں آپ ﷺ کی سیرت میں بدرجہ اتم موجود تھیں اسی لئے آپ ﷺ کی سنت کو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے اسوہ حسنہ اور نمونہ عمل بنا دیا گیا۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَنْتَظِرُونَهُ قَالَ فَخَرَجَ حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ فَسَمِعَ حَدِيثَهُمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ عَجَبًا إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اتَّخَذَ مِنْ خَلْقِهِ خَلِيلاً اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً. وَقَالَ آخَرُ مَاذَا بِأَعْجَبَ مِنْ كَلاَمِ مُوسَى كَلَّمَهُ تَكْلِيمًا وَقَالَ آخَرُ فَعِيْسَى كَلِمَةُ اللهِ وَ رُوحُهُ. وَقَالَ آخَرُ آدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَسَلَّمَ وَقَالَ" قَدْ سَمِعْتُ كَلاَمَكُمْ وَعَجَبَكُمْ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيْلُ اللهِ وَهُوَ كَذَلِكَ وَمُوْسَى نَجِيُّ اللهِ وَهُوَ كَذَلِكَ وَعِيْسَى رُوحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ وَ هُوَ كَذَلِكَ وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ وَهُوَ كَذَلِكَ أَلاَ وَأَنَا حَبِيْبُ اللهِ۔[2]

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے جب اُن کے قریب پہنچے تو انہیں کچھ گفتگو کرتے ہوئے سُنا ان میں سے بعض نے کہا کہ تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، دوسرے نے کہا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلیم اللہ ہونے سے زیادہ تعجب خیز تو نہیں ہے، ایک اور نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور روح ہیں، کسی اور نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چُن لیا، حضور نبی کریم ﷺ اُن کے پاس تشریف لائے، سلام کیا اور فرمایا: مَیں نے تمہاری گفتگو اور اظہار تعجب سنا کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں، بے شک وہ ایسے ہی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں بے شک وہ ایسے ہی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں، واقعی وہ اسی طرح ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چُن لیا وہ بھی یقیناً ایسے ہی ہیں۔ سُن لو میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں۔"

آپ ﷺ کے اوصافِ حسنہ اور اخلاقیات کو اٹھارویں صدی کے نامور محقق و مستشرق اور تاریخ دان لیمرٹین (Lamartine) یوں بیان کرتے ہیں:

"Philosopher, orator, apostle, legislator, warrior, conqueror of ideas, restorer of rational dogmas; the founder of twenty terrestrial empires and of one spiritual empire, that is Muhammad. As regards all standards by which human greatness may be measured, we may ask, is there any man greater than he".[3]

یعنی: "فلاسفر، مقرر، رسول، قانون دان، جنگجو، ذہنوں کو فتح کرنے والے، حکمت کے اُصول قائم کرنے والے، بیس دنیوی سلطنتوں اور ایک روحانی سلطنت کے بانی یہ سب کچھ تھے حضرت محمد ﷺ وہ تمام معیار جن سے انسانی عظمت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، ان کے لحاظ سے ہم بجا طور پر یہ سوال کر سکتے ہیں کیا اس محمد ﷺ سے عظیم تر بھی کوئی انسان دنیا میں ہیں۔"

آپ ﷺ کی سیرت اور سنت پر عمل پیرا ہونے اور آپ ﷺ کے دیئے ہوئے پیغام سے منسلک ہونے کے لئے خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو اُنہی کے نبی کی زبانی خوشخبری ان الفاظ میں سنائی کہ ارشاد ہوا کہ:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُواْ مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلاَ نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (19:5)

ترجمہ: "اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے وہ رسول ﷺ تشریف لائے کہ جو تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا تو یہ حضور اکرم ﷺ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔"

حصولِ اقتدار کے بعد بھی آپ ﷺ نے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا اور آپ ﷺ اپنے رویے میں تبدیلی نہیں لائے۔ آپ ﷺ نے پھر بھی اُن سے کئی ایک تاریخی معاہدے کئے اور اُن کے ساتھ تعلقات اور مراسم پہلے کی طرح جاری و ساری رکھے۔ کوئی مسلمان کسی مشرک اور کافر کے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھا سکتا اور نہ ہی کسی مشرک اور کافر خاتون سے عقدِ نکاح کر سکتا ہے لیکن ان تمام احکامات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اہلِ کتاب کا ذبح کردہ جانور اور اہلِ کتاب خاتون سے عقدِ نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ارشادِ الٰہی ہوتا ہے کہ:

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ (5:5)

ترجمہ: "اور کتابی کافروں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہوا اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور پارسا عورتیں مسلمان اور پارسا عورتیں ان (اہلِ کتاب) میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی۔"

یہ دینِ اسلام کا طُرہ امتیاز ہے کہ کتابی کے ذبح شدہ جانور اور کتابی عورت سے نکاح کو جائز قرار دیتا ہے بالکل ایسے ہی کہ جیسے گذشتہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام نے پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی خوشخبری اپنے پیروکاروں کو دی اور بالکل ایسے ہی کہ جیسے آپ ﷺ نے تمام گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق فرمائی اور اُن کے پیش کئے گئے ادیان کو سچا جانا۔ دینِ اسلام نے ہمیشہ امن، آشتی، محبت، بھائی چارے اور رواداری کا درس دیا ہے اور اسلام نے دیگر تمام مذاہب کو برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کا ادب و احترام کرنے کا حکم بھی دیا ہے مکالمہ بین المذاہب کی دین اسلام میں نہ صرف اجازت ہے بلکہ یہ پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت اور سنت بھی ہے۔ صلح حدیبیہ مکالمہ بین المذاہب کی ایک عظیم مثال ہے جو کہ ایک معاہدہ ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ آئے تو یہاں اُس وقت بنو قریضہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع نامی تین بڑے قبائل پہلے سے موجود تھے۔آپ ﷺ نے مدینہ منورہ آمد کے بعد ان قبائل سے مختلف معاہدے اور مالی معاملات طے فرمائے۔ اس پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ:۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے کسی یہودی سے کھانے کی کوئی چیز خریدی اور اُس کے پاس زرہ رہن رکھی۔[4] جب آپ ﷺ نے خیبر کو فتح کیا تو خیبر کے یہودیوں کی درخواست پر انہیں کاشت کاری کی اجازت دے دی اور جب فصل کو کاٹنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو وصولی کے لئے بھیجا آپ ﷺ نے اُس وقت کی جو فصل (کھجوریں) تھی دو حصوں میں برابر تقسیم فرمائی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ہمارے حصہ سے زیادہ دے رہے ہیں کیونکہ ان کے اپنے اصول کے مطابق ان کا

حصہ آدھا نہیں بنتا تھا بلکہ اس سے بھی کم لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں ضرور آدھی ہی ملیں گی کیونکہ تم سے معاہدہ اسی طرح ہوا تھا۔[5]

اس روایت سے پیغمبر اکرم ﷺ کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ لین دین کے معاملات میں موجود تعلقات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی نظر میں آقا و غلام اور رنگ و نسل کا کوئی لحاظ نہ تھا اور آپ ﷺ کے لئے عدل و انصاف کے حصول میں اپنے پرائے سب برابر تھے اور آپ ﷺ سب کی ایک جیسی مدد فرماتے تھے۔[6] آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ عدل و انصاف کی ایسے روشن مثالیں ملتی ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونا کسی اور ہستی کے لئے ممکن ہی نہیں۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت سے کچھ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنی زندگی میں کئی بار دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ ایسی ہی ایک روایت بخاری شریف میں موجود ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ عبدوس نامی یہودی کی بیماری کی حالت میں اُس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اُس کی بیماری میں اُس کی احوال پُرسی کی۔[7]

پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مابین رواداری اور ہم آہنگی کو ششوں میں گزر گئی۔ ایسی ہی ایک روایت ابنِ کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں ذکر کی ہے کہ ایک مرتبہ علاقہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ اُن کی عبادت کا وقت تھا، اُنھوں نے مسجدِ نبوی میں عبادت کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ روایت ملاحظہ ہو کہ:

قال ابن اسحاق و حدثنی محمد بن جعفر بن الذبیر قال: لما قدموا علی رسول اللہﷺ المدینه فدخلو علیه مسجده حین صلی العصر، علیهم ثیاب الحبرات جبب و اردیه فی جمال رجال بن الحارث کعب قال:یقول بعض من رآهم من اصحاب النبیﷺ یومئذ ما رائینابعدهم وفدا مثلهم وقد حانت صلاتهم، فقاموا فی مسجد رسول اللہﷺ یصلون: فقال رسول اللہﷺ دعوهم، فصلوا الی المشرق[8]

ترجمہ: "جب وہ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت حضور ﷺ عصر کی نماز ادا کر چکے تھے۔ یمنی کپڑوں میں ملبوس، قبائیں اور چادریں لپیٹے ہوئے، کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں دیکھ کر کہا کہ ہم نے ان جیسا وفد نہیں دیکھا۔ ان کی نماز کا وقت ہوگیا وہ اٹھے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو، اُنھوں نے مشرق کی طرف رُخ کرکے نماز ادا کی۔

فتح مکہ کا موقع ایک ایسا موقع تھا کہ اگر رحمتِ عالم ﷺ اپنے خود پر ہونے والے تمام مظالم کا بدلہ لینا چاہتے تو آپ ﷺ باآسانی بدلہ لے سکتے تھے اور اس موقع پر بدلہ لینے کی صورت میں آپ ﷺ کو اور دیگر

مسلمانوں کو کسی نے غلط بھی نہیں کہنا تھا کیونکہ بدلہ لینا ایک جنگی حربہ شمار ہو کر تاریخ کے اوراق میں گم ہو جاتا لیکن اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے خود پر اور اپنے جاںثار ساتھیوں پر ہونے والے مظالم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سب کے لئے عام معافی کا اعلان کیا جو کہ تاریخ کی نظر میں ایک انوکھے بدلے کے طور پر ہمیشہ سنہری حروف کی صورت میں لکھا جائے گا۔"

سیرت طیبہ میں بین المذاہب ہم آہنگی کے عملی نمونے

دورِ حاضر میں تنگ نظری اور دہشت گردی بالخصوص مذہبی دہشت گردی کی بدولت ہمارے معاشرے میں بے پناہ فتنے اور فساد جنم لے رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں موجود دیگر مذاہب وادیان اور مختلف تہذیب و ثقافت رکھنے والوں کے ساتھ رحمتِ عالم ﷺ کے پیروکاروں کو کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیئے اور ہمارے معاشرے کے غیر مسلموں کے ساتھ آپ ﷺ کی سیرت کے مطابق کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے کہ جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اقدار کا حامل ہوسکے اور اس میں مذہبی منافرت اور عدمِ برداشت کی حوصلہ شکنی ہو تاکہ ہم ترقی پذیر سے ترقی یافتہ ہونے کا سفر باآسانی طے کر سکیں کیونکہ اگر کسی معاشرے میں مذہبی منافرت اور مذہبی عدمِ برداشت موجود ہو تو اُس معاشرے کی تباہی کے لئے یہی دو چیزیں کافی ہیں۔ ذیل میں ہم سیرتِ رحمتِ عالم ﷺ سے کچھ واقعات اور دیگر مذاہب کی مذہبی عدمِ برداشت کی چند ایک مثالیں اور اُن پر آپ ﷺ کے طرزِ عمل اور رویے کا جائزہ لیں گے۔

1:۔ایک واقعہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ جن کا سیاہ فام ہونے کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں کوئی مقام و مرتبہ نہ تھا اور وہ غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے کہ جب اُن کے دل میں نورِ اسلام کی شمع روشن ہوئی تو اُن کا شمار "السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" (100:9) یعنی ابتدائی اسلام لانے والوں میں سے ہونے کا شرف حاصل ہوا لیکن قانونِ قدرت ہے کہ رتبہ اور عہدہ جتنا بڑا ہوتا ہے مصائب و آلام اور تکالیف بھی اُسی قدر زیادہ اور سخت ہوتی ہیں لہٰذا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینِ اسلام کے راہی بننے کی وجہ سے آپ کے مالک امیہ بن خلف نے شدید مذہبی تشدد اور تعصب کا نشانہ بنایا اور آپ پر ایسے مظالم کئے کہ جو تاریخ انسانیت کے لئے سیاہ اوراق کی صورت اختیار کر گئے۔

2:۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ مرد تھے لہٰذا آپ نے خود پر ہونے والے مظالم کو بڑی دلیری سے قبول کیا لیکن دورِ جاہلیت کے جاہلوں نے اسلام دشمنی میں نہ صرف مردوں کو مذہبی تشدد کا نشانہ بنایا بلکہ اسلام لانے والی خواتین کا بھی ان درندوں نے اپنے قہر و غضب کا نشانہ بنایا کہ جن خواتین میں سے ایک حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ابھی اسلام قبول کئے کچھ دن ہی ہوئے تھے کہ مکہ کے

کافروں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کے اہلخانہ اپنے ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا اور آہستہ آہستہ اس رویے میں شدت آتی چلی گئی یہاں تک کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شہید کر دیا گیا۔

3:۔زمانہ جاہلیت کے اُس بے رحم معاشرے میں کہ جہاں مردوں اور خواتین کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا جاتا رہا وہیں پر غلاموں، کنیزوں اور لونڈیوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا رہا یہاںتک کہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ ایک غلام ہونے کی وجہ سے بے سہارا اور بے آسرا تھے۔ شرک و جہالت اور بت پرستی کے اُس دور میں جب ایک عام غلام حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ توحید پڑھا تو مکہ کے سارے ابو جہل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور ظلم و بربریت کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ جن کے بارے فقط سوچ لینے سے ہی رونگٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام لانے کی پاداش میں برہنہ کرکے دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جاتا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پر کبھی ایک بھاری بھرکم پتھر رکھ کر ایک شخص مسلتا رہتا اور کبھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت لوہے کی زرہ پہنا کر عرب کی تپتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا۔ سورج کی گرمی اور زرہ کی تپش سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم جلتا رہتا۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی ظلم و بربریت مسلسل سہتے رہے اور حرارت کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم کباب ہوتا رہتا لیکن یہ تمام مظالم بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارادوں کے متزلزل نہ کر سکے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔

تاریخ کے سیاہ اوراق پر موجود ایسی کئی اور عدمِ برداشت کی داستانیں موجود ہیں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے طرزِ عمل اور اخلاقیات و کردار سے اسی جاہل معاشرے کو ایسے تبدیل کیا کہ وہی معاشرہ بنی نوعِ انسان کے لئے قابلِ تقلید بن گیا۔

آنے والی بحث میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مذہبی رواداری اور بین المذاہب ہم آہنگی کا ایک مختصر جائزہ لیا جائے گا اور اس میں پیغمبر اکرم ﷺ کے اُس طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جائے گہ کہ جو آپ ﷺ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ اختیار فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے مذہبی رواداری اور برداشت کی چند ایک مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

1:۔ نصاریٰ کے ساتھ معاہدہ

رحمتِ عالم ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی نجران کے نصاریٰ کے ساتھ ایک تاریخ ساز معاہدہ کیا جو کہ دیکھنے میں تو ایک معاہدہ ہے لیکن اصل میں یہ معاہدہ ایک ایسی تحریر ہے کہ جس میں دیگر مذاہب کو دیئے گئے تمام معاشرتی، قانونی، سیاسی اور مذہبی حقوق ذکر کئے گئے ہیں اور نہ صرف یہ حقوق صرف بیانی حد تک ذکر

کئے گئے ہیں بلکہ ان حقوق کے ذیل میں اقلیتوں کے تمام تر حقوق کی ضمانت بھی ذکر ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کا نجران کے عیسائی لوگوں کے ساتھ کیا جانے والا معاہدہ کئی ایک تاریخی کُتب میں موجود ہے کہ جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1. اس معاہدے کے تحت دیگر مذاہب کے مذہبی عہدے داروں کو اسلامی ریاست معزول نہیں کر سکتی۔
2. اس معاہدے کے پیشِ نظر اقلیتوں کو اپنے عقائد و نظریات پر کاربند رہتے ہوئے زندگی گزارنے کا حق فراہم کیا گیا۔
3. اس معاہدے کے ذیل میں اقلیتوں کے مذاہب اور عقائد کو مکمل تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔
4. مذہبی رواداری کے نظریے کے تحت اقلیتوں کے تمام مذہبی راہنماؤں کی حفاظت دراصل اسلامی ریاست کی ذمہ داری شمار ہوتی ہے۔
5. اس معاہدے کے تحت ایک مسلمان مملکت میں بسنے والے تمام اقلیتی شہریوں کو اپنے اپنے مذہبی اور قانونی حقوق حاصل ہوں گے۔
6. اس معاہدے کا ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے جان، مال، عزت، ناموس اور آبرو کی تمام تر ذمہ داری اسلامی ریاست کے موجودہ حکمران کی ذمہ داری ہے۔
7. اس معاہدے کے تحت غیر مسلموں کو اپنے مذہبی عہدیداروں کے انتخاب میں مکمل آزادی دی گئی ہے۔
8. اس معاہدے کے مطابق دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے اپنے مذہبی طریقوں کے مطابق اپنی عبادات کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔
9. اس معاہدے میں اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت کا فریضہ قرار دی گئی ہے۔[9]

2۔ عیسائی وفد کو مسجد میں عبادت کی اجازت

ایک مرتبہ نصاریٰ کا ایک وفد رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں ایسے وقت میں داخل ہوا کہ جو وقت اُن کی عبادت کا تھا۔ اُس وفد نے آپ ﷺ سے مسجد میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی اور انہوں نے اپنے نظریے کے مطابق مشرق کی طرف رخ کر کے اپنی عبادت انجام دی جبکہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اُس عیسائی وفد کو اس کام سے روکا جائے تو آپ ﷺ نے اُن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو منع فرمادیا۔[10]

3۔ یہودِ خیبر کے ساتھ اچھا سلوک

خیبر کے مقام پر رہنے والے یہودی قبائل دین اسلام کے سخت دشمن تھے اور اسلام اور مسلمانوں کو طرح طرح کی

تکالیف دیتے رہتے تھے اور اگر کوئی مسلمان غلطی سے خیبر کے یہود کے ہتھے چڑھ جاتا تو اُس پر ظلم و بربریت کی انتہاء کر دی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے طرح طرح کے مصائب و آلام دینے کے ساتھ ساتھ خیبر کے یہودی (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کی بھی گستاخی کر کے آپ ﷺ کو ذہنی اذیت سے دوچار کیا کرتے تھے لیکن ان تمام تر مصائب و آلام کے باوجود بھی خیبر کی فتح کے موقع پر کچھ مسلمان یہودیوں کے مویشی کھول کر لے گئے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کے اس عمل کو سخت ناپسند فرمایا۔ چنانچہ اس مورد میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

"غزونا مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم غزوة خيبر فاسرع الناس فى حظائر يهود فامرنى ان انادى الصلوة... ثم قال ايها الناس انكم قد اسرعتم فى حظائر يهود الا لا تحل اموال المعاهدين ابجقها" [11]

ترجمہ: ''ہم غزوۂ خیبر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔لوگ (مجاہدین) جلدی میں یہود کے بندھے ہوئے جانور بھی لے گئے تو آپ ﷺ نے مجھے نماز کے لئے اذان دینے کا حکم فرمایا۔۔۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم جلدی میں یہود کے بندھے ہوئے جانور بھی لے گئے ہو۔ خبردار! سوائے حق کے غیر مسلم شہریوں کے اموال سے لینا حلال نہیں ہے''۔

یہی روایت ان الفاظ میں بھی ملتی ہے کہ:

الا وانى احرم عليكم اموال المعاهدين بغير حقها[12]

ترجمہ:۔''خبردار! میں تم پر غیر مسلم اقلیتوں کے اموال پر ناحق قبضہ کرنا حرام کرتا ہوں''۔

پیغمبرِ رحمت ﷺ کا یہی درس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اور دیگر پیروکاروں کے لئے نمونہ عمل تھا لہٰذا آپ ﷺ کی رحلت کے بعد خلفاء راشدین نے آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے طرزِ عملکی پیروی کرتے ہوئے مذہبی رواداری اور برداشت کو منظورِ نظر رکھا اور اقلیتوں کو اُن کے تمام مطلوبہ حقوق اور اختیارات عطاء کئے۔ خلفاء راشدین کے دور میں غیر مسلموں کے مال مویشی، تجارت اور کاروبار، عبادت گاہیں اور ناموس ایسے ہی محفوظ تھی کہ جیسے اسلامی ریاست کے ایک مسلمان شہری کی محفوظ ہوتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب بھی کسی لشکر کو کسی جنگی مہم پر روانہ کیا جاتا تو اُس لشکر کو دی جانے والی ہدایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں کہ:

''خبردار! زمین میں فساد نہ پھیلانا اور احکامات کی خلاف ورزی نہ کرنا۔۔۔ کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ انہیں جلانا، چوپایوں کو ہلاک نہ کرنا اور نہ ہی پھل دار درختوں کو کاٹنا اور نہ کسی عبادت گاہ کو گرانا اور نہ

بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا۔ تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جنھوں نے گرجا گھروں میں اپنے آپ کو محبوس کر رکھا ہے اور دنیا سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا"۔[13]

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے عیاں ہے کہ کچھ مواقع پر آپ ﷺ مذہبی رواداری اور برداشت سے کام لیتے ہوئے مشرکین کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ جس کے آنے والے ادوار میں نہایت ہی مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

4:۔مذہبی ہم آہنگی اور صلح حدیبیہ

حدیبیہ کے مقام پر جب کفار کے ساتھ صلح ہو رہی تھی اور صلح نامہ تحریر کیا جا رہا تھا تو بعض اوقات حالات ایسی صورت اختیار کر گئے کہ فریقین کی طرف سے جنگ کا خطرہ پیدا ہونے لگا۔ مشرکین کے سخت اور غلط لہجے کے باوجود آپ ﷺ نے ہمیشہ جوش کے بجائے اسلام کو ملنے والے فوائد اور مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کچھ بہتر اور خیر کے امور کو ترک کیا جیسے کہ شرائط کے طے ہو جانے کے بعد معاہدے کی تحریر کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے معاہدے کا آغاز "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے کیا لیکن کفار و مشرکین نے اس نکتے پر اعتراض کیا اور معاملہ اس حد تک بڑھ گیا کہ قریب تھا کہ معاہدہ ختم ہو جاتا تو رحمۃ للعالمین نبی ﷺ نے رواداری اور برداشت سے کام لیتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تسمیہ کے بجائے "باسمك اللھم" لکھنے کا حکم دیا اور حالات کو مزید خرابی سے بچا لیا۔[14]

پھر اسی معاہدے کی تحریر کو دوران ہی جب معاہدے کے دونوں فریق کے نام لکھے جانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغمبر اکرم ﷺ کا نامِ نامی "محمد رسول اللہ" لکھا تو مشرکین نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپ ﷺ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے ہیں لہٰذا یہ الفاظ حذف کئے جائیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ان الفاظ میں ردوبدل کرنا ناممکن تھا لیکن اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے نہایت ہی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اس معاہدہ کے دُوررس نتائج کی خاطر "محمد ابن عبد اللہ" تحریر کر دیا اور حالات کو کشیدہ ہونے سے بچا لیا۔[15]

پیغمبر اکرم ﷺ کا اسوہ ہی تھا کہ جس کی بدولت سیکڑوں سال بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے دینِ اسلام کے دروازے کھلتے چلے گئے اور لوگ بڑی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

5:۔دورِ حاضر اور سیرتِ نبوی سے استفادہ

اگر دورِ حاضر کی علاقائی اور عالمی صورتحال کو مدِّ نظر رکھا جائے تو ساری انسانیت مذہبی انتہاپسندی اور عدمِ برداشت کا شکار نظر آتی ہے۔ اِس دور کا انسان اعتدال کی راہ کو چھوڑ کر افراط و تفریط کا شکار ہو چکا ہے۔ ایسے میں کامیابی کی کوئی ایک کرن دکھائی دیتی ہے تو وہ ہے پیغمبر اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سیرت وسنت پر عمل پیرا ہونا۔

آنے والی بحث میں چند ایک ایسی گذارشات اور سفارشات پیش کی جائیں گی کہ جن پر عمل پیرا ہو کر امتِ مرحومہ ایک بار پھر قیادت اور امامت کے فرائض انجام دینے کی اہل بن سکتی ہے۔ سفارشات درج ذیل ہیں:

1. دورِ حاضر میں ساری امت کو چاہیئے کہ سیرت نبوی پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہو تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکے۔
2. مسلمان طلبہ کے لئے سیرت نبوی کو لازمی مضمون کے طور پر نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ ہماری نئی نسل آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اُس پر عمل پیرا ہو سکے۔
3. سیرتِ طیبہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے عادلانہ ماحول کا قیام عمل میں لایا جائے۔
4. سیرتِ طیبہ کے پیشِ نظر معاشرے میں موجود افراد میں مذہبی رواداری، امن و آشتی اور محبت و اخوت کو فروغ دیا جائے تاکہ آپس میں اتحاد کی فضا پیدا ہو سکے۔
5. نوجوانوں کو بالخصوص سیرتِ پیغمبر اکرم ﷺ سے روشناس کروایا جائے تاکہ وہ اس پر عمل کو اپنا دینی فریضہ سمجھ سکیں۔

ان تجاویز پر عمل کر کے ہم ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔[16]

*****

References

1. Imam Ahmad bin Hanbal, *Al-Masnad*, Vol. 9 (Qaira, Dar Ul Hadees, 1399 AD), 13.

امام احمد بن حنبل، المسند، ج9، (قاہرہ، دار الحدیث، 1399ھ)، 13۔

2. Imam Tirmaidh, *Al-Sunan*, Kitab Manaqib Rasoolullah, (Riaz, Maktab tul Maaraf lilnisher wa al-Tawazah, 1401 AH), 97.

امام ترمذی، السنن، کتاب مناقب رسول اللہ، ، (ریاض، مکتبۃ المعارف للنشر والتوضیع، 1401ھ)، صفحہ 97۔

3: Alphonse de Lamartine, *History of Turkey* (New York, D. Appleton & co,1855), np.

4. Imam Abu Abdullah Muhammad bin Ismail, al-Bukhari, *Sahih Al-Bukhari*, Kitab al-Bayu, (Damascus, Daar Ibn E Kaseer, 1379 AD), 317.

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، البخاری، صحیح البخاری، کتاب البیوع، (دمشق، دار ابن کثیر، 1379ھ)، 317۔

5. Abu Dawud Sajistani, *Sunan Abi Dawud*, Kitab al-Bayu, Abu Dawud Sajistani, Sunan Abi Dawud, Kitab al-Bayu, (Qaira, Daar Ibn E Jozi, 1467 AH), 179.

ابو داؤد سجستانی، *سنن ابی داؤد*، کتاب البیوع، ، (قاہرہ، دار ابن جوزی، 1467ھ)، 179۔

6. Muhammad Tahir Farooqi, *Iqbal aur Mohabat Rasool* (New Dehli, Islamic Book Foundation, 1996), 70.

محمد طاہر فاروقی، *اقبال اور محبت رسولؐ* (نئ دہلی، اسلامک بک فاونڈیشن، 1996ء)، 70۔

7. Al-Bukhari, *Sahih Al-Bukhari*, Kitab al-Marz, 491.

البخاری، *صحیح البخاری*، کتاب المرض، 491۔

8. Ibn-e-Kaseer, *Al-Badaiya wal-Nahaya*, Vol. 5 (Beirut, Maktab tul Maaraf, 1981.), 51.

ابنِ کثیر، *البدایۃ والنہایۃ*، ج5 (بیروت، مکتبہ المعارف، 1981ء)، 51۔

9. Dr. Tahir-ul-Qadri, Dashat Gardi aur Fitna Khawarij (Lahore, Minhaj Ul Quran Publications, 2010.), 199.

ڈاکٹر طاہر القادری، *دہشت گردی اور فتنہ خوارج* (لاہور، منہاج القرآن پبلیکیشنز، 2010ء)، 199۔

10. Muhammad Sulaiman Mansoor Puri, *Rahmat llal Alamin*, Vol. 1 (Lahore, Markaz Al Harman al Islami, 1998), 182.

محمد سلیمان منصور پوری، *رحمۃ للعالمینؐ*، ج1(لاہور، مرکز الحرمین الاسلامی، 1998ء)، 182۔

11. Imam Ahmad bin Hanbal, *Al-Musnad*, Hadith: # 16362.

امام احمد بن حنبل، *المسند*، رقم الحدیث: 16362۔

12. Ibid, Hadith: # 16362.

ایضاً، رقم الحدیث: 16362۔

13. Imam Malik, *Al-Mawat*, Vol. 2 (Beirut, Dar Al Fikr, 1497 AH), P:448, Hadith: # 966.

امام مالک، *الموطا*، ج2 (بیروت، دارالفکر، 1497ھ)، ص448، رقم الحدیث966۔

14. Muhammad Hussain Heikal, *Sirat al-Rasoul* (Lahore, Islami Kutub Khana, 1989), 464.

محمد حسین ہیکل، *سیرۃ الرسول* (لاہور، اسلامی کتب خانہ، 1989ء)، 464۔

15. Mulana Shibli Nomani, *Sirat al-Nabi*, Vol. 1 (Karachi, Daar Ul Ishaat, 1985), 423.

مولانا شبلی نعمانی، *سیرۃ النبیؐ*، ج1 (کراچی، دار الاشاعت، 1985ء)، 423۔

16. Azma, Professor Muhammad Ilyas, "*Bahan ul Mahahb Hum Ahngi aur Serat Nabvi*" Mahnama Minhaj Al-Qur'an, Lahore, Vol. 34, Issue 9, (October 2020), 31.

اعظمی، پروفیسر محمد الیاس، "*بین المذاہب ہم آہنگی اور سیرت نبوی*" ماہنامہ منہاج القرآن، لاہور، جلد34، شمارہ9، (اکتوبر 2020ء)، 31۔

بچوں کی جسمانی تربیت کے حوالے سے والدین کی ذمہ داریاں
(قرآن اور احادیث کی روشنی میں)

Responsibilities of Parents for Physical Upbringing of Children in the Light of Quran and Hadiths

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr.Ghulam Abbas
Ph.D In Quran and Educational Science, Mustafa International University Qom, Iran.
E-mail: ghulamabbas.kash@gmail.com

Abstract:
The purpose of this research is to describe the responsibilities of parents to meet the physical and material needs of their children in the light of Quran and Hadith. In order to bring children to perfection in the religion of Islam, apart from the spiritual instructions, the material needs of the children have also been taken into consideration. The most important responsibility of parents for the physical development of children are take care of cleanliness, to meet the material and physical needs of children including food, sports and teach them modern skills for the modern age etc and while fulfilling these needs, the interests of children should be taken into consideration such as feeding halal food to children, Protect them from physical harm, providing physical and material needs according to their age, etc.

Key Words: Responsibilities, Physical, Upbringing, Parents, Children.

خلاصہ

اس تحقیق کا مقصد قرآن اور احادیث کی روشنی میں والدین کی بچوں کی جسمانی اور مادی ضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ داریاں بیان کرنا ہے۔ دین اسلام میں بچوں کو کمال حقیقی تک پہنچانے کے لیے، معنوی ہدایات کے علاوہ بچوں کی مادی ضروریات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ والدین کی بچوں کے جسمانی رشد کے لئے مہم ترین ذمہ داریاں بطور کلی نظافت کا خیال رکھنا، بچوں کی مادی اور طبیعی ضروریات کو پورا کرنا جس میں بچوں کی غذا، کھیل کود اور جدید زمانے کی مہارتیں سیکھانا وغیرہ شامل ہیں اور ان ضروریات کو پورا کرتے وقت بچوں کی مصلحت کو مد نظر رکھنا چاہئے جیسے بچوں کو حلال رزق کھلانا، انہیں جسمانی ضرر سے بچانا، بچوں کی عمر کے مطابق ان کی ضروریات پوری کرنا، وغیرہ ہیں۔

کلیدی کلمات: ذمہ داریاں، عصر حاضر، جسمانی تربیت، والدین، بچے۔

تحقیق کی روش

اس تحقیق میں استنباطی اور توصیفی ـ تحلیلی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں تربیتی نگاہ سے قرآن اور احادیث سے مطالب اخذ کیے گئے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ اہل سنت کی صحاح ستہ سے بھی استفادہ کیا جائے۔

تحقیق کا فائدہ

1۔ والدین اس تحقیق کے ذریعہ بچوں کی مادی ضروریات کو بہتر انداز میں پورا کر سکیں گئے۔ جس کے نتیجے میں بچے سالم اور جسمانی طور پر قوی ہوں گئے۔

2۔ بچوں کی مادی ضروریات پوری کرنے کا فائدہ خود والدین کو پہنچے گا، جن بچوں پر والدین نے خصوصی توجہ دی ہوتی ہے معمولا وہ بچے والدین سے راضی ہوتے ہیں اور والدین کا بڑھاپے میں سہارا بنتے ہیں۔ طبیعت کا قانون بھی یہی ہے جیسا بوگے، ویسا کاٹوگے۔ اگر استطاعت کے باوجود والدین، اپنے بچوں کی مادی ضروریات پوری نہیں کریں گے تو بچے دل سے والدین سے راضی نہیں ہوں گئے، جس کے نتیجے میں وہ والدین کا بھی بڑھاپے میں کم خیال رکھیں گئے۔

3۔ والدین، بچوں کی محبت کو بچپن میں ہی جلب کر سکتے ہیں چونکہ جب اولاد بالغ ہو جائے تو پھر ان پر اثر انداز ہونا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے بچپن میں بچوں کی توجہ کو جلب کرنے کا بہترین راستہ ان کی مادی ضروریات پر توجہ دینا ہے۔ روایات کے مطابق، نیک اولاد، مرنے کے بعد بھی اجر کا باعث بنتی ہے اور عذاب قبر سے نجات کا دلا سکتی ہے۔ بچے تب اپنے والدین کے لئے استغفار اور دعا کرتے ہیں جب وہ اپنے والدین سے دل سے محبت کرتے ہوں۔

4۔ بچوں کی جسمانی تربیت کرنا شرعی تکلیف ہے، اگر والدین اسے بہترین طریقے سے انجام دیں گئے تو انہیں اس کا دنیا اور آخرت دوں میں اجر ملے گا، اور خدا کے سامنے بھی سرخرو ہوں گئے کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔

مسئلہ

دوسرے مذاہب کی نسبت، دین اسلام کا وطرہ امتیاز ہے کہ دین اسلام کی نگاہ دوسرے ادیان کی نسبت جامع ہے۔ بچوں کی تربیت کے لحاظ سے بھی دین اسلام میں تمام مادی اور معنوی جہات کو مد نظر رکھا گیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام میں معنوی تربیت پر زیادہ تاکید کی گئی ہے، اسی وجہ سے معمولا قرآن اور احادیث کی روشنی میں، ابھی تک والدین کی بچوں کی پرورش کے اعتبار سے جو تحقیقات منظر عام پر آ چکی ہیں، ان تحقیقات میں معمولا بچوں کی معنوی تربیت کو مد نظر رکھا گیا ہے، اگر کچھ تحریریں بچوں کی جسمانی تربیت پر بھی ہیں، تو وہ بچوں کے نان و نفقہ تک محدود ہیں۔ اس لیے اس تحقیق کا ہدف یہ ہے کہ بچوں کی جسمانی تربیت کے حوالے سے والدین کی جامع ذمہ داریاں بیان کی جائیں۔ معمولا والدین فطری طور پر بچوں کی مادی ضروریات پر توجہ دیتے ہیں، کچھ والدین دانستہ یا نادانستہ طور پر کوتاہی بھی کرتے ہیں، یا ان کی نگاہ فقط نان اور نفقہ تک محدود ہوتی ہے۔ لہٰذا اس مقالہ میں اختصار کی جہ سے فقط بچوں کی مادی ضروریات کو مد نظر رکھ کر والدین کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔ اس تحقیق میں پورے جہان کے ہر فرد کے لئے بھی ایک پیغام ہے کہ دین اسلام فقط عقائد اور عبادات کے دائرے تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ اس دین میں انسان کی مادی ضروریات کو مد نظر رکھا گیا ہے اور معنوی ضروریات کو بھی۔

مقدمہ

دین اسلام وہ واحد مذہب ہے جس میں ہر اعتبار سے اعتدال پایا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے! وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطا (143:2) ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط قرار دے دیا"! وسط سے مراد اس دین میں نہ افراط ہے نہ تفریط ہر حوالے سے میانہ روی ہے۔ مشرکین ہر چیز کو صرف مادی نگاہ سے دیکھتے ہیں، انسان کا کمال بھی دنیا کی لذتوں اور زینتوں میں دیکھتے ہیں۔ انسان کی روح اور معنویات پر بالکل بھی توجہ نہیں دیتے، اس کے مقابلے میں نصاری صرف روح اور معنویات پر توجہ دیتے ہیں، دنیا کو ترک کرنے اور رہبانیت کی دعوت دیتے ہیں۔[1] دین اسلام میں یہ دونوں طریقے درست نہیں۔ اسلام میں اس فکر کے برعکس مومنین کو قرآن یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ رَبَّنا آتِنا فِي الدُّنْيا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَة (201:2) ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی حسنہ عطا کر اور آخرت میں بھی حسنہ عطا کر۔" اس سلسلے میں امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَرَكَ دُنْيَاهُ لِدِينِهِ أَوْ تَرَكَ دِينَهُ لِدُنْيَاه[2] ترجمہ: "جو شخص دنیا کو

آخرت کی وجہ سے چھوڑ دے اور آخرت کو دنیا کی وجہ سے وہ ہم میں سے نہیں۔" بچوں کی تربیت کے لئے بھی دین اسلام میں دونوں جہتوں (مادی، معنوی) کو مد نظر رکھا گیا ہے، اگرچہ بچوں کی معنوی تربیت پر زیادہ زور دیا گیا لیکن ساتھ ساتھ بچوں کی مادی ضروریات پوری کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے، دین اسلام میں جو شخص اپنے اہل و عیال کی روزی کے لئے تگ و دو کرتا ہے اس کا یہ تگ و دو کرنا عبادت سے زیادہ اجر کا باعث ہے۔ جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا! يَا عَلِيُّ سَاعَةٌ فِي خِدْمَةِ الْعِيَالِ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ أَلْفِ سَنَةٍ وَ أَلْفِ حَجٍّ وَ أَلْفِ عُمْرَةٍ وَ خَيْرٌ مِنْ عِتْقِ أَلْفِ رَقَبَةٍ وَ أَلْفِ غَزْوَة۔[3] ترجمہ: "یا علیؑ اپنے اہل و عیال کی ایک ساعت خدمت کرنا ہزار سال عبادت کرنے، ہزار حج کرنے، ہزار عمرہ کرنے، ہزار غلام آزاد کرنے، ہزار غزوات میں شرکت کرنے سے بہتر ہے۔"

اس تحقیق میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ بچوں کی مادی ضروریات کے پیش نظر والدین کی وہ ذمہ داریاں جو دین اسلام نے بتائی ہیں ان کو جمع کیا جاسکے تاکہ والدین ان بچوں کی جسمانی تربیت میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ اس تحقیق میں والدین کی بچوں کی مادی ضروریات کے پیش نظر تین موارد کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

ا۔ بچوں کی ظاہری نظافت کا خیال۔

2۔ بچوں کی بدنی اور طبیعی ضرورتیں پر توجہ۔

3۔ بچوں کی مصلحت کو مقدم رکھنا اور اس کے چند نمونہ۔

مفہوم شناسی

ذمہ داری کے لئے عربی میں جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ مسئولیت ہے۔ اجتماعی ذمہ داری کے لئے عربی میں کہا جاتا ہے، المَسْؤُلِيَّةُ الجَمَاعِيَّةُ اسی طرح بھاری ذمہ داریوں کے لئے کہا جاتا ہے۔ مَسْئُولِيات عَظِيمَة۔[4] انگلش میں اس کے لئے دقیق لفظ Responsibility استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو میں ذمہ کا لغوی مطلب ضمانت، کفالت، سپردگی، وفاداری اور جواب دہی ہے۔ جب کہ ذمہ دار کا مطلب فرض شناس اور جوابدہ ہے۔[5] ذمہ اصل میں تعریف اور ستائش کے مقابلے میں ہے۔ مذمت کا لفظ اسی مادہ سے مشتق ہے۔ ایک ضمانت اور وعدہ ہے کہ اگر میں یہ کام نہ کروں تو میری گردن پر اس کی مذمت ہے۔ یہ عہد اور پیمان ہے کہ میں اپنے وظیفہ اور وعدہ کی مخالفت کی صورت میں اس کا نقصان اٹھاؤں گا۔[6] ذمہ (کسرہ کے ساتھ) عہد اور پیمان اور ضمانت ہے۔ جیسا کہ یہودیوں اور نصاری کو اس وجہ سے ذِمّی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ عہد اور پیمان باندھا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی پناہ میں ہیں۔[7]

اصطلاح میں ذمہ داری سے مراد انسان کے وہ وظائف ہیں۔ جن کو پورا نہ کرنے کی صورت میں وہ جواب دہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان ان وظائف اور ذمہ داریوں کا ضامن ہے جو اس کی گردن پر ہیں۔ موجودہ موضوع چونکہ قرآن اور احادیث کی روشنی میں ہے اس لیے یہاں ذمہ داریوں سے مراد وہ وظائف ہیں، جن کہ وجہ سے انسان خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

بچوں کی تربیت کی ذمہ داریاں ماں اور باپ دونوں پر

بچوں کی مادی اور معنوی پرورش کی ذمہ داریاں، ماں اور باپ دونوں کے اوپر ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ باپ فقط مادی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہے اور ماں بچے کی معنوی تربیت کے لئے۔ بلکہ بچے کی مادی اور معنوی تربیت کی ذمہ داری دونوں کے اوپر ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔۔۔ وَ الرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ فَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ بَعْلِهَا وَ وُلْدِهِ وَ هِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُم[8] ترجمہ: "آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کا نگراں ہے اور اس سے اس کے گھر والوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

بعض روایات کے مطابق والدہ کی ذمہ داری تب تک ہے جب تک بچے بالغ نہ ہو جائیں حتی بچے کی ماں کو طلاق ہی کیوں نہ ہو جائے والدہ کی تربیت کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ اور بعض فقہاء کے مطابق والدہ کی ذمہ داری سات سال تک ہے۔ جس کی بناء پر بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ جب مدت رضاعت ختم ہو جائے تو بچے کی پرورش کی ذمہ داری والد کے اوپر آتی ہے۔

إذا فصل الولد و انقضت مدّة الرضاعة، فالوالد أحقّ بالذكر، و الامّ أحقّ بالانثى حتّى تبلغ سبع سنين من حين الولادة- إلى أن قال:- إذ الوالد أنسب بتربية الذكر و تأديبه، كما أنّ الوالدة أنسب بتربية الانثى و تأديبها[9] ترجمہ: "جب بچہ جدا ہو جائے اور اس کی رضاعت کی مدت ختم ہو جائے تو بچہ مذکر ہونے کی صورت میں باپ زیادہ حقدار ہے کہ اس کی تربیت کرے اور ماں مونث کی نسبت زیادہ حقدار ہے کہ اس کی تربیت کرے یہاں تک کہ ولادت سے لے کر سات سال تک پہنچ جائے، باپ کا بیٹے کو ادب سیکھانا زیادہ مناسب تر ہے۔ جیسا کہ ماں کا بیٹی کو تربیت اور ادب سیکھانا مناسب تر ہے۔"

والدین کی ذمہ داریاں

اگرچہ والدین فطری طور پر اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کی مادی ضروریات پر توجہ بھی دیتے ہیں لیکن اس مادہ پرستی کے زمانے میں بعض انسانوں کی فطرت پر پردہ پڑ جاتا ہے، اور وہ اپنی اولاد کو بھی مادی اعتبار سے

تولنے لگتے ہیں۔ بچوں سے محبت اور نفرت کا معیار بھی مادیات کو بنا لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض افراد اب بھی ایسے ہیں جنہیں جب بچی کی بشارت دی جاتی ہے تو وہ دل سے غمگین ہو جاتے ہیں۔ جس کی طرف قرآن نے یوں اشارہ فرمایا! وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيم (58:16) ترجمہ: "اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو غصے کے مارے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔" یا انسان ممکن ہے اولاد رزق کے خوف کی وجہ سے اپنی اولاد پر کوئی اور ظلم کر دے جیسے کہ خداوند فرماتا ہے: وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُم (31:17) ترجمہ: "اپنی اولادوں کو رزق کی تنگی کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم انہیں رزق دیتے ہیں۔" موجودہ زمانے میں رزق کی تنگی کے باعث معمولا کوئی اپنی اولاد کو قتل نہیں کرتا، لیکن اولاد کی شخصیت مسخ کی جاتی ہے، انہیں تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے، ان کو اپنی معیشت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، ان پر تشدد کیا جاتا ہے، انہیں کم عمری میں کام پر لگا دیا جاتا ہے، جن بچوں کی کھیل کود کی عمر ہوتی ہے انہیں سختیوں میں ڈال دیا جاتا ہے، کبھی کبھار والدین کے آپس کے اختلاف کی وجہ سے بچے کو روحانی اور بدنی طور پر ضرر پہنچایا جاتا ہے۔ بچے کو جدید دنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند نہیں کیا جاتا۔ وہ دنیا میں پیسے کی مشین بن کر آتا ہے اور اسی حالت میں دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اس لیے موجودہ تحقیق میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ والدین کی وہ ذمہ داریاں بیان کی جائیں جن کے ذریعہ وہ بچوں کی تمام مادی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ یہ گمان نہ کریں کہ انہیں بچوں کی ضروریات پوری کرنے سے مالی نقصان ہو رہا ہے۔ بیٹیاں ان کے نقصان میں ہیں۔ بیٹیوں پر جلدی غصہ آ جاتا ہے اور غیرت کے نام پر بیٹیوں کا قتل تو کیا جاتا ہے کہ کبھی نہیں دیکھا کہ غیرت کے نام پر بیٹے بھی قتل ہوا ہو۔ یہ بیٹے اور بیٹی میں یہ فرق خدا کے احکام سے دوری کا نتیجہ ہے۔

اس لیے موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے والدین کو جن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ظاہری نظافت کا خیال رکھنا

والدین کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے پاکیزہ ماحول فراہم کریں۔ یعنی بچوں کی نظافت کا خاص خیال رکھیں۔ ظہری نظافت تربیت کا حصہ ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (222:2) ترجمہ: "بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔ بہت زیادہ احادیث میں ظاہری ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کے حوالے سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا! تَنَظَّفوا بِكُلِّ مَا استَطَعتُم فَإِنَّ اللّه تَعالی بَنَى السلامَ عَلَى النَّظافَةِ ولَن يَدخُلَ الجَنَّةَ إلاّ كُلُّ نَظيفٍ؛[10] ترجمہ: "تم میں جتنی بھی استطاعت ہو، اتنی مقدار میں پاکیزگی کا اہتمام کرو، چونکہ خداوند نے دین اسلام کی بنیاد نظافت پر رکھی ہے، ہر گز بہشت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوگا مگر پاکیزہ شخص۔ مذکورہ حدیث میں لن کا لفظ استعمال کر

کے ہمارے آخری نبی نے پاکیزگی کی اہمیت روشن کر دیا ہے کہ جو شخص پاکیزگی کا خیال نہیں رکھتا وہ ہرگز بہشت میں نہیں جاسکتا، دوسرا یہ نکتہ مہم ہے کہ جتنی پاکیزہ رہنے کی استطاعت ہو اتنا ضرور پاکیزگی کا خیال رکھیں۔

ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کی چند روشیں

ا۔ا۔شرعی تکلیف کے ذریعہ صفائی کی ترغیب دینا

احادیث میں صفائی کو آخرت میں اجر سے جوڑا گیا ہے۔ جس کا ایک نمونہ واجب اور مستحب غسل ہیں، جیسے غسل جنابت، حیض و نفاس وغیرہ۔۔ نظافت کا خیال رکھنا بچے کی ولادت سے شروع ہو جاتا ہے۔ بچے کی ولادت کا غسل والدین پر واجب ہے۔ غُسْلُ الْمَوْلُودِ وَاجِب[11] اور اسی طرح سر کے بال منڈوانا[12] اور ختنہ کرنا[13]، وغیرہ۔ واجبات اور مستحبات تکالیف شرعیہ ہیں، جن کے انجام دینے پر اجر اور نہ دینے پر سزا ملے گی۔ خداوند نے بچوں کی نظافت کو شرعی احکام کے اندر جگہ دی تاکہ والدین بچوں کی نظافت کے حوالے سے کوئی کوتاہی نہ کریں۔ کبھی نظافت کو دین اسلام کی پہچان بھی قرار دیا۔ جیسے فرمایا! اپنے گھر کے باہر کے ماحول کو پاکیزہ رکھنے کے بارے میں فرمایا! اکنسوا افنيتكم ولاتشبّهوا باليهود[14] ترجمہ: "اپنے گھر کے سامنے جھاڑو مارو اور یہودیوں کی طرح گندا نہ رہیں۔"

ا۔۲۔ صفائی کے مادی فوائد بیان کر کے صفائی کی ترغیب دلانا

دین اسلام میں ظاہری صفائی کو برقرار رکھنے کے لئے جزئی تر موارد بھی بیان کیے گئے ہیں۔ پاکیزگی کے خاص احکام کے علاوہ، پاکیزگی کے مادی فوائد بھی بیان کیے ہیں، جیسے کہا کہ ظاہری صفائی سے غربت ختم ہوتی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: عشرون خصلةٌ تورث الفقر... و وضع القصاع و الاوانى غير مغسولة و ترک بيوت العنكبوت و وضع اوانى الماء غير مغطاة الرؤوس[15] ترجمہ: "بیس خصلتیں غربت لاتی ہیں۔۔۔۔۔۔ ان میں سے کھانے کے برتنوں کو دوئے بغیر چھوڑ دینا، مکڑی کے جھالوں کو گھر میں چھوڑ دینا، پانی کے برتنوں کو ڈھکنے کے بغیر چھوڑنا ہیں۔"

2۔ بچوں کی طبیعی اور بدنی ضرورتوں پر توجہ

طبیعی سے مراد ایسی ضروریات ہیں۔ جن کا طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ جیسے کھانا، پینا سونا، لباس اور رہائش وغیرہ ہیں۔ دین اسلام میں والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق بچوں کی بدنی طور پر ہر قسم کی ضرورت کو پورا کریں۔ دین اسلام میں بچوں کی بدنی پرورش کے لئے بعض روشیں بھی ذکر ہوئی ہیں۔

بچوں کی بدنی پرورش کی بعض مہم روشیں

2۔ا۔ مولود کو دو سال تک دودھ پلانا

والدین کی بچے کی جسمانی پرورش کے لئے قرآن نے ایک حکم یہ دیا ہے کہ بچے کو دو سال تک دودھ پلایا جائے۔
وَ الْوالِداتُ يُرْضِعْنَ أَوْلادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كامِلَيْنِ لِمَنْ أَرادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضاعَةَ (233:2) ترجمہ: "اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، (یہ حکم) ان لوگوں کے لئے ہے جو پوری مدت دودھ پلوانا چاہتے ہیں۔"
قرآن کی مذکورہ آیت میں دودھ کا ذکر ہے، چونکہ بچے کے لئے سب سے مہم غذا دودھ ہے، اس آیت سے ہم یہ بھی استفادہ کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی اور غذا بھی بچے کی جسمانی پرورش کے لئے ضروری ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، دودھ یہاں موضوع نہیں ہے بلکہ بچے کی پرورش موضوع ہے، ایسا نہیں ہے کہ حتماً بچے کو دودھ پلایا جائے۔ اگر ڈاکٹر بچے کے لئے دودھ کو مناسب نہیں سمجھتا اور بچے کو کوئی اور غذا تجویز کرتا ہے تو بچے کو وہی غذا دینی چاہیے جو ڈاکٹر نے تجویز کی ہے۔ مذکورہ آیت میں یہ نکتہ بھی ذکر کیا کہ دو سال تک بھی پلا سکتے ہیں اور کم بھی۔ ہر دو صورتوں میں بچے کی مصلحت کو مد نظر رکھنا ہے۔

2۔۲۔ بچوں کو جدید زمانے کی مہارتیں سیکھانا

والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آئندہ زمانے کو مدّ نظر رکھ کر بچوں کو جدید زمانے کے ہنر سیکھائیں۔ ایسے ہنر جو ان کے کام آئیں۔ زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ موجودہ زمانے کے ہتھیار اور ضرورتیں بدل چکی ہیں۔ مخصوصا جدید زمانہ، ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے، بچوں کو موجودہ زمانے کے حساب سے نئی ٹیکنالوجی سے آشناس کروایا جائے۔ نبی کے زمانے میں جب جنگ کا زمانہ تھا تو اس وقت بچوں کو تیراکی اور تیر اندازی سیکھانے کا حکم دیا گیا تھا، جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا! قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمُ السِّبَاحَةَ وَ الرِّمَايَةَ[16] ترجمہ: "اپنے بچوں کو تیراکی اور تیر اندازی سیکھاؤ۔ لیکن اس زمانے میں جدید ٹیکنالوجی کو مد نظر رکھ کر گاڑی چلانا، جنگی حالات میں جدید اسلحہ چلانا اور کراٹے وغیرہ سیکھانے چاہیے تاکہ بچہ جسمانی طور پر بھی مضبوط ہو اور اپنے زمانے کی جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے آگے بڑھے۔ امام علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی ہے۔ لا تَقسِروا [لا تكرهوا] أولادَكُم عَلى آدابِكُم فَإِنَّهُم مَخلوقونَ لِزَمانٍ غَيرَ زمانِكُم[17] ترجمہ: "اپنے بچوں کو اپنے زمانے آداب اور رسوم پر مجبور نہ کرو، چونکہ یہ آپ کے زمانے کے علاوہ زمانے کے لئے خلق ہوئے ہیں۔" بعض کے نزدیک یہ روایت نہیں بلکہ کسی فلاسفر کا قول ہے۔ ہر دو صورتوں موجودہ متن قابل توجہ ہے،

یہ کہ بچوں کو آئندہ آنے والے زمانے کے لئے تیار کیا جائے اور انہیں اپنے موجودہ زمانے کے ساتھ قیاس نہ کیا جائے۔ حتی بچوں کو وہ جدید ہنر بھی سکھانے چاہیئے جن کے ذریعے وہ اپنا روزگار کما سکیں۔

۲۔۳۔ کھیل کود کے مواقع فراہم کرنا

کھیلنا کودنا بچے کی فطری اور طبیعی ضرورت ہے اور اس ضرورت کو احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصّہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ أَرْسِلْهُ مَعَنا غَداً يَرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ إِنَّا لَهُ لَحافِظُون (12:12)
ترجمہ: "(حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ سے کہا) کل آپ اسے (یوسفؑ) ہمارے ساتھ بھیجیں، تاکہ خوب کھائے پیے اور کھیلے کودے اور ہم اس کی حفاظت کریں گئے۔

اس آیت میں یرتع کا معنی چراگاہ کی جگہ پر حیوانات جیسے بھیڑ، گائے اور اونٹ وغیرہ کا چرنا ہے۔ آج بھی لوگ ایسی جگہوں پر تفریح کے لئے جاتے ہیں [18] اور کبھی کبھار یہ لفظ انسان کے بارے میں تفریح اور زیادہ کھانے پینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[19] یلعب، لعب کے مادہ سے مضارع ہے۔ جس کا مطلب کھیل کود ہے۔[20] آیت اللہ محسن قرائتی اس آیت کے ذیل میں ایک تربیتی نکتہ یہ درج کرتے ہیں کہ اگر والدین نے بچوں کے کھیل کود کا کوئی مناسب انتظام کیا ہو، تو دشمن ان بچوں سے کھیل کود کے بہانے میں سوء استفادہ نہیں کر سکتا۔[21]

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا! کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیجا جائے تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے ساتھ کھیلیں اور کودیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بچوں کی اس درخواست سے انکار نہیں کیا اور نہیں کہا کہ کھیل کود بچوں کے لئے درست نہیں یا یہ بچہ نبی ہے اسے کھیل کود سے دلچسپی نہیں اور عملا ان کی درخواست کو قبول کیا، جو اس بات پر دلیل ہے کہ بچوں کو کھیلنے کودنے کا موقع فراہم کرنا چاہیئے۔ بعض روایات میں لہو کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ بعض نے کھیل کود کو لہو و لعب شمار کیا ہے۔ البتہ اکثر نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بچپن میں کھیل کود کی اجازت ہے۔ احادیث میں بھی یہ بات نقل ہوئی ہے۔ دَع اِبنَکَ یلعَب سَبع سِنینَ وَالزَمهُ نَفسُکَ سَبعَ سِنینَ فَإن أَفلَحَ وَ إلاّ فَإنَّهُ مَن لا خَیرَ فیهِ[22] ترجمہ: "بچے کو سات سال تک چھوڑ دو کہ وہ کھیلے کودے اور سات سال اسے اپنے زیر نظر رکھو، اس پر کام الزامی کرو، اگر وہ فلاح پا گیا تو کتنا اچھا ہے اگر وہ تربیت نہ ہو سکا تو اس میں خیر نہیں۔

پیامبر صلی اللہ والہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا! لهوا و العبوا، فانّی اکره ان یری دینكم غلظه [23]
ترجمہ: "آپس میں کھیلو اور کودو، میں ناپسند کرتا ہوں کہ تمہارے دین میں سختی ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عملی سیرت میں بھی بہت زیادہ ایسے نمونے ملتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کھیلتے تھے اور کبھی ان کو اپنی پشت پر بھی سوار کرتے تھے۔" [24]

۲۔۴۔ مادی فلاح و بہبود اور آسائش دینا

بچوں کا یہ حق ہے کہ والدین اپنی استطاعت کے مطابق ان کو مادی آسائشیں دیں۔ اپنا ہاتھ کھلا رکھیں۔ اپنے گھر والوں کے لئے خام خاہ کی کنجوسی نہ کریں۔ جدید زمانے کے مطابق انہیں سہولیات فراہم کریں۔ امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: أَرْضَاكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَسْبَغُكُمْ عَلَى عِيَالِه[25] ترجمہ: "خداوند اس اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنے اہل و عیال کو وسعت دیتا ہے۔ اسی طرح امام رضا علیہ السلام نے فرمایا! ينبغي للرجل ان يوسع على عياله لئلا يتمنوا موته[26] ترجمہ: "مرد کو چاہئے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو وسعت دے تاکہ اس کے مرنے کی وہ تمنا نہ کریں۔"

اگر بچوں کو جدید زمانے کے مطابق سہولیات نہ دی جائیں تو وہ دوسرے بچوں کی نسبت اپنے اندر احساس کمتری محسوس کریں گئے۔ پیشرفت کرنے سے ڈریں گئے۔

2۔۵۔ بچوں کی جائز خواہشات کو پورا کرنا

والدین کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بچوں کی جائز مادی خواہشات کو پورا کریں۔ بعض احادیث میں یہ ذکر گیا گیا کہ بچوں کے گمان کو متاثر نہ کیا جائے۔ انہیں مایوس نہ کیا جائے۔ جیسے فرمایا! وَ إِذَا وَعَدْتُمُوهُمْ شَيْئاً، فَفُوا لَهُمْ؛ فَإِنَّهُمْ لَايَرَوْنَ إِلَّا أَنَّكُمْ تَرْزُقُونَهُم[27] ترجمہ: "جب تم بچوں سے وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، چونکہ وہ آپ کو رازق سمجھتے ہیں۔ اس حدیث میں وعدہ نبھانے کی علت بیان کی گئی چونکہ بچہ والدین کو رازق سمجھتا ہے، اسے اسی گمان کے مطابق اس سے وعدہ پورا کیا جائے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ بھی لے سکتے ہیں کہ والدین کوشش کریں کہ اپنی استطاعت کے مطابق، بچوں کو کبھی مایوس نہ کریں۔

3۔ بچے کی مصلحت کو مدّ نظر رکھنا

والدین کی شرعی اور عقلی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کی جسمانی اور معنوی پرورش کے لئے ہمیشہ بچے کی مصلحت کو مد نظر رکھیں۔

بچوں کی مصلحت کو مد نظر رکھنے کے چند نمونے

3۔1۔ بچے کو جسمانی ضرر پہنچنے سے بچانا

دین اسلام میں ماں، باپ کے باہمی اختلاف کی صورت میں بھی، بچے کی جسمانی پرورش کو مد نظر رکھا گیا اور والدین کو یہ دستور دے دیا کہ آپس کے اختلاف میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے جس سے بچے کو بدنی ضرر ہو۔ لا تُضَارَّ والِدَةٌ بِوَلَدِها وَ لا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوارِثِ مِثْلُ ذلِكَ (2:233) ترجمہ: "بچے کی ماں (بچے کے باپ

سے اختلاف کی وجہ سے) بچہ کو ضرر دینے کا حق نہیں رکھتی اور نہ باپ (اپنی بیوی سے اختلاف کی وجہ سے) اپنے بچے کو ضرر پہنچانے کا حق نہیں رکھتا اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔

قرآن کی اس آیت میں یہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ نہ باپ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے اختلاف کی وجہ سے بچے کو بچے کی ماں کے دودھ سے روکے اور نہ ماں کو یہ حق ہے کہ وہ بہانے بنا کر بچے کو دودھ نہ دے وغیرہ جس سے بچے کے جسم کو ضرر ہو۔[28] والدین بچے کے ولی ہیں لیکن بچے کو ضرر پہنچانے کا حق نہیں رکھتے۔ حتی ادب سیکھانے کے لئے بھی والدین کو ایک حد تک اجازت کے کہ وہ بچے کو ماریں، بعض روایات کے مطابق مارنے کی اجازت نہیں اور بعض کے مطابق تین ضربوں کی اجازت ہے اس سے اوپر قیامت کے دن قصاص ہے۔ لا تضربن أدبا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَإِنَّكَ إِنْ فَعَلْتَ فَهُوَ قِصَاصٌ يَوْمَ الْقِيَامَة [29] ترجمہ: "بچوں کو ادب کے لئے تین ضربے سے اوپر نہ مارو، اگر ایسا کروگئے تو قیامت کے دن اس کا قصاص ہوگا۔"

والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ہر قسم کے ضرر سے بچائیں اگر بچے مریض ہیں تو علاج کروائیں، اسی طرح انہیں مناسب غذائیں دیں، ایسی غذائیں جو ان کے لئے مضر ہیں وہ انہیں نہ دیں، والدین، بچوں کو مارنے کا کوئی حق نہیں رکھتے مگر یہ کہ بہت ضروری ہو جائے تو فقط تین ضربے تک مار سکتے ہیں۔

2-3۔ کسب حلال پر توجہ

کسب حلال کی دین اسلام میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، خصوصا بچوں کے حوالے سے والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو حلال رزق فراہم کریں، جیسا کہ روایت میں خود یہ بیان کیا گیا ہے کہ حلال رزق دینا بچے کا حق ہے۔ رسول خدا صلی اللہ وعلیہ والہ نے فرمایا! حقّ الولد على الوالد------ و أن لا يرزقه إلّا طيّبا[30] ترجمہ: "باپ کا بیٹے پت یہ حق ہے کہ وہ اسے فقط پاکیزہ (حلال) رزق دے۔ قرآن میں مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ حلال روزی کی تلاش کریں اور حلال مال سے انفاق کریں۔ يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّباتِ ما كَسَبْتُم (2:267) ترجمہ: "اے وہ جو ایمان لائے ہو! جو پاکیزہ چیزوں سے انفاق کرو!" آیت میں طیب سے مراد پاک ہے جو حلال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی انفاق، حلال کمائی سے ہو، تجارت، صنعت اور دیگر جائز شرعی طریقوں سے ہو، لیکن حرام کمائی سے انفاق کرنا نہ صرف جائز اور مشروع نہیں بلکہ باطل ہے، غصب کا عنوان بھی اس پر صدق آئے گا اور گناہ بھی شمار ہوگا، مالک بھی نہیں بنتا، اور مالک کو واپس پلٹانا بھی واجب ہے۔[31] حلال روزی کمانا ویسے بھی واجب ہے لیکن جب بندہ صاحب اولاد ہو جائے تو اس کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ صاحب اولاد ہے تو بچوں کو حرام کھلانے کا گناہ بھی اسی کے سر پر ہوگا۔ کسب حرام کا ایک اثر یہ ہے کہ بچوں میں ان کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ نے فرمایا! كَسبُ الحَرام يُبَيّنُ فِي الذُّرِّيَةِ[32] ترجمہ: "کسب حرام کے آثار انسان

کی اولاد میں ظاہر ہوتے ہیں۔" امام باقر علیہ السلام سے اس آیت (وَ شارِکْهُمْ فِي الْأَمْوالِ وَ الْأَوْلادِ (64:17) ترجمہ: "تو جا! اور ان کے اموال اور اولادوں میں شریک بن جا) کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا! مَا كَانَ مِنْ مَالٍ حَرَامٍ فَهُوَ شِرْكُ الشَّيْطَانِ قَالَ وَ يَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ حَتَّى يُجَامِعُ فَيَكُونُ مِنْ نُطْفَتِهِ وَ نُطْفَه الرَّجُل[33] ترجمہ: یعنی ہر وہ مال جو حرام ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے، شیطان اس میں شریک ہوتا ہے اور اگر کسی کے وجود میں اس دولت کے اثرات ہوں اور وہ جنسی تعلق قائم کرے تو اس نطفہ سے جو پیدا ہو گا، اس میں بھی شیطان شریک ہے۔ حرام کے لقموں کا ایک اثر یہ ہے کہ حق کی بات اثر نہیں کرتی جیسا کہ امام حسین علیہ السلام نے عاشورہ کے دن جو لوگ آپ علیہ السلام سے جنگ کے لیے آئے تھے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا! قَدِ انْخَزَلَتْ عَطِيّاتُكُمْ مِنَ الْحَرامِ فَقَدْ مُلِئَتْ بُطُونُكُمْ مِنَ الْحَرَامِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِكُمْ[34] ترجمہ: "(تم پر میری بات کا اثر اس لیے نہیں ہوتا) چونکہ تمہارے ہدیے حرام کے راستے سے تھے اور تمہارے شکم حرام سے بھر چکے ہیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگائی گئی ہے۔"

اگر وہ بچوں کو حرام کھلاتے ہیں اور اس کی تاثیر کی وجہ سے ان پر وعظ اثر نہیں کرتی تو والدین اس کے ذمہ دار ہیں۔ البتہ ایسا نہیں کہ حرام علت تامہ ہے اگر والدین نے بچوں کو حرام کھلا دیا تو اس کے نتیجہ میں بچے ہدایت نہیں پا سکیں گئے بلکہ انسان کا اپنا اختیار زندگی کے کسی حصے میں سلب نہیں ہوتا۔

3-3۔ بچوں کی عمر کے مطابق ان کی ضروریات پوری کرنا

بچوں کی جسمانی تربیت ہو یا معنوی تربیت والدین کو بچوں کی عقل اور درک کے مطابق ان کی ضروریات پوری کرنی چاہئے۔ تمام عمر میں بچوں کی مادی ضروریات ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ روایات میں میں مختلف عمروں میں بچوں کو مختلف چیزیں سیکھانے کے لئے کہا گیا ہے، حتی کھیلنے کی عمر سات سال بتائی گئی ہے، سات سال تک بچے بالکل آزاد ہیں، جیسے ان کا دل کرتا ہے ویسے کریں، لیکن اگلے سال سات وہ پہلے کی طرح آزاد نہیں ہیں۔ الْغُلَامُ يَلْعَبُ سَبْعَ سِنِينَ، وَ يَتَعَلَّمُ الْكِتَابَ سَبْعَ سِنِينَ، وَ يَتَعَلَّمُ الْحَلَالَ وَ الْحَرَامَ سَبْعَ سِنِين[35] ترجمہ: "جوان سات سال کھیلے اور سات سال اللہ کی کتاب کی تعلیم حاصل کرے اور سات سال تک اسے حلال اور حرام سیکھائے جائیں۔"

اسی طرح جب بچے بالغ ہو جائیں تو ان کی بدنی ضروریات پہلے سے مختلف ہو جائیں گی، انہیں اس وقت شادی کی ضرورت ہو گی، اس لیے شریعت کا حکم ہے کہ بچوں کی شادی کی ذمہ داری والدین کے اوپر ہے۔ جیسا کہ احادیث میں تاکید کی گئی ہے۔ وَ قَالَ ص مِنْ حَقِ الْوَلَدِ عَلَى وَالِدِهِ ثَلَاثَةٌ يُحَسِّنُ اسْمَهُ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَةَ وَ يُزَوِّجُهُ إِذَا بَلَغَ[36] ترجمہ: "فرزند کا اپنے باپ کے اوپر حق ہے کہ باپ اس کا نام اچھا رکھے، اسے کتاب خدا کی

تعلیم دے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کروائے۔" اب یہ ذمہ داری والدین کب ادا کرتے ہیں؟ یہ ان کے اوپر ہے کہ وہ بچے کی مصلحت کو مد نظر رکھیں۔ شادی کرنا ایک طبیعی ضرورت ہے لیکن اگر والدین بچوں کی شادی کے حوالے سے کوئی اقدام نہیں کریں گے تو بچے خود سے اور غلط راستے کا بھی انتخاب کر سکتے ہیں۔اس لیے والدین کو بچوں کی شادی کے مسئلہ میں بلاوجہ تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

3۔۴۔بچوں میں مساوات کو برقرار رکھنا

بچے اگر یہ محسوس کریں کہ ان کے والدین انہیں دوسرے بچوں کی نسبت کم اہمیت دے رہے ہیں تو بچوں میں آپس میں حسادت اور نفرت ایجاد ہو جاتی ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی سے ایک تربیتی نکتہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی حضرت یوسف علیہ السلام سے حسادت کی وجہ یہی تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کیوں حضرت یوسف علیہ السلام کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں؟ إِذْ قالُوا لَيُوسُفُ وَ أَخُوهُ أَحَبُّ إِلى‏ أَبِينا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبانا لَفی ضَلالٍ مُبِين (8:12) ترجمہ: "جب (یوسفؑ کے) بھائیوں نے-(آپس میں) کہا: یوسفؑ اور اس کا بھائی (بنیامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں، بے شک ے والد تو کھلی گمراہی پر ہیں۔"

فعلا اس بات سے قطع نظر کہ آیا حضرت یعقوب علیہ السلام دوسرے بچوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کو ترجیح دیتے تھے یا نہیں؟ لیکن یہ بات واضح ہے کہ دوسروں بھائیوں کی حسادت کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے والد، حضرت یوسف علیہ السلام سے، ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔قرآن میں ایک دوسرا نمونہ یہ ذکر ہوا کہ جب کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا۔وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيم (نحل ۵۸)(58:00) ترجمہ: "اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو غصے کے مارے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مذکورہ آیت مشرکین کے بارے میں ہے جن کا عقیدہ تھا کہ بیٹیاں خدا کے ساتھ خاص ہیں یعنی بیٹیاں صرف خدا کی ہوتی ہیں، اس وجہ سے لوگوں سے منہ چھپاتا رہتا تھا اور سوچتا تھا کہ اس کو زندہ رکھے یا زندہ قبر میں دفن کر دے۔[37] لیکن موجودہ زمانے میں بھی بعض والدین بچی کی بشارت سننے پر اندر سے ناراض ہو جاتے ہیں چونکہ موجودہ انسان بچی کو مادی نگاہ سے دیکھتے ہیں، نہ الہی نگاہ سے۔ بعض والدین بچیوں کو بہت سے حقوق سے بھی محروم کر دیتے ہیں، جیسے بچیوں کی تعلیم اور تربیت پر زیادہ خرچہ نہیں کرتے اور ایک حد سے زیادہ تعلیم بھی نہیں دلواتے۔ اس کے باوجود کے ان کے پاس بچیوں کو پڑھانے کی استطاعت موجود ہوتی ہے، اگر بچیوں کو پڑھائیں بھی تو اندر سے اس طرح سے راضی نہیں ہوتے جس طرح سے بچے کی پڑھائی پر راضی ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں بھی بعض افراد اپنی بچیوں کو کم اہمیت دیتے ہیں اور انہیں ارث سے بھی محروم

کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ جو مادی سہولیات بیٹوں کو ملتی ہیں وہ بیٹیوں کو نہیں ملتی۔ ایک جاہلانہ اور مادی فکر یہ ہوتی ہے کہ بچیوں نے دوسروں کے گھروں میں چلے جانا ہے، تو ان پر خرچ کیوں کریں؟ اس کے برعکس بیٹوں پر زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ لیکن دین اسلام اس طرح کی تفریق کی مذمت کرتا ہے اور بچوں میں میں مساوات برقرار رکھنے کا درس دیتا ہے۔

3۔۵۔ ماں کا خرچ، والد کے ذمہ

دین اسلام میں بچے کی مصلحت کو اس حد تک ملحوظ خاطر رکھا گیا کہ بچے کی ماں کا کھانا پینا، کپڑا اور رہائش وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری باپ کے اوپر لگائی گئی تاکہ ماں پوری توجہ کے ساتھ بچے کی جسمانی تربیت کر سکے۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا (233:2) ترجمہ: "اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دودھ پلانے والی ماؤں کا روٹی کپڑا معمول کے مطابق ہو گا، کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں۔

آیت میں بالمعروف کا لفظ استعمال کیا گیا جس کا مطلب ہے کہ یہ خرچ والد عرف کے مطابق ادا کرے اور جتنی اس کی استطاعت ہے اس کے مطابق بچے کی ماں کا خرچ دے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مدت رضاعت کے دوران بچے کی ماں کا سارا خرچ باپ کے ذمہ ہے اگرچہ ماں کو طلاق بھی ہو جائے۔

نتیجہ بحث

والدین کی بچوں کے جسم اور روح کے حوالے سے بہت سی ذمہ داریاں بنتی ہیں تاکہ وہ اپنے بچوں کو کمال حقیقی تک پہنچا سکیں۔ اسلام میں دنیا اور آخرت کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ دین اسلام میں بچے کی مادی ضروریات کو بھی اتنی اہمیت دی گئی کہ بچے کی جسمانی پرورش کو شرعی حکم کے عناوین کے تحت بیان کیا گیا ہے، جیسے بچے کی نظافت کا خیال رکھا جائے، (بچے کی نظافت کے لئے خاص شرعی احکام بیان کیے جیسے غسل ولادت، ختنہ اور سر کے بال منڈوانا ہیں) دو سال تک بچے کی ماں بچے کو دودھ پلائے، بچے کو کھیلنے کودنے کا موقع فراہم کیا جائے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ کھیلنے کے لئے بھیجا جائے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس درخواست کو رد نہیں کیا۔ حتی یہ بھی نہیں کہا کہ یہ بچہ اللہ کا نبی ہے اسے کھیلنے کودنے کی ضرورت نہیں۔ والدین اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کریں کہ بچوں کو جتنی بھی مادی سہولیات دے سکتے ہوں، انہیں دیں، بہت سی روایات میں اس مطلب کو بیان کیا گیا ہے کہ والد کو چاہئے کہ اپنے اہل و عیال والوں کو وسعت دیں، تاکہ اس کے اہل و عیال اس کے مرنے کی دعا نہ کریں، کچھ والدین ایسے بھی ہیں جو استطاعت رکھتے ہیں لیکن ان کی کنجوسی کی عادت ہوتی ہے، اپنا

معیار زندگی پست رکھتے ہیں، اس لیے خود ان کی اولاد بھی ان سے دلی طور پر راضی نہیں ہوتی۔ جہاں تک ممکن ہو اپنی اولاد کو مایوس نہ کیا جائے چونکہ نفسیاتی طور پر بھی اس کا برا اثر پڑتا ہے اور روایات میں بھی ہے کہ جب بچوں سے وعدہ کرو تو اسے پورا کرو چونکہ بچے والد کو ہی رازق سمجھتے ہیں۔ بچے کی مادی اور معنوی ضروریات پوری کرتے وقت بچوں کی مصلحت کو ہمیشہ مد نظر رکھا جائے، جیسے ماں، باپ کو اپنے باہمی اختلاف کے باوجود یہ حق نہیں رکھتے کہ وہ کوئی ایسا اقدام کریں کہ جس سے بچے کو ضرر ہو، اسی طرح بچوں کو حلال رزق دینا بھی والدین کی ذمہ داری ہے اور یہ بچوں کا حق ہے۔ اس حق کو روایت میں بھی بیان کیا گیا ہے اور حرام کے برے اثرات ہیں جو اولاد پر اثر انداز ہوتے ہیں اس حرام کی وجہ سے اگر بچوں پر کوئی موعظہ اثر نہیں کرتا، تو اس کی ذمہ داری بھی والدین پر عائد ہو گی۔ والد رضاعت کے دوران بچے کی ماں کا سارا خرچ دینے کا پابند ہے چاہے وہ بچے کی ماں کو طلاق دے دے، چونکہ یہ بچے کی مصلحت کے لئے ہے۔

*****

References

1- Syed Muhammad Baqir, Mousavi Hamedani, Tarjma *Tafsir al-Mizan*, Vol. 1 (Qom, Daftar Intasharat Islami Jamia Muderseen Awoza Ilmiya, 1374 AD).481.

سید محمد باقر، موسوی ہمدانی، ترجمہ *تفسیر المیزان*، ج1 (قم، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ، 1374ش)، 481۔

2- Muhammad Baqir, Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 57 (Beirut, Dar Ihiya al-Trath al-Arabi, 1403 AH), 321; Hussain bin Muhammad Taqi, Nouri, *Mustadrak al-Wasail*, Vol. 8 (Qom, Mowsa Al-Bayat Lahiya al-Tarath, 1408 AH), 223.

محمد باقر، مجلسی، *بحار الانوار*، ج57 (بیروت، داراحیاء التراث العربی، 1403ق)، 321؛ حسین بن محمد تقی، ،نوری، *مستدرک الوسائل*، ج8 (قم، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، 1407ھ-ق)، 223۔

3- Muhammad bin Muhammad, Shuairi, *Jamia al-Akhbar (Lal Shuairi)*, (Najaf, Matbohata Haidariata, nd.), 102.

محمد بن محمد، شعیری، *جامع الأخبار (للشعیری)* (نجف، مطبعۃ حیدریۃ، سن ندارد)، 102۔

4- https://www.almaany.com/ur/dict/ar-

5- Molvi, Firozuddin, *Firoz Alghat* (Lahore, Firoz Sanan, nd.) 691.

مولوی، فیروز الدین، فیروز اللغات (لاہور، فیروز سنز، سن ندارد)، 691۔

6- Hassan, Mustafawi, *Al-Tehqeeq fi Kalamat al-Qur'an al-Karim*, Vol.3, (Tehran, Markaz Al-Kitab Liltarjmata wa Al-Nashar, 1402 AH), 332.

حسن، مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج3 (تہران، مرکز الکتاب للترجمۃ والنشر، 1402 ھ۔ق)، 332۔

7- Syed Ali Akbar, Qorshi, *Qamos Quran*, Vol. 3 (Tehran, Darul Kutab Islamiata, 1412 AH), 23.

سید علی اکبر، قرشی، قاموس قرآن، ج3 (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1412 ھ۔ق)، 23۔

8- Masoud bin Isa, Waram bin Abi Faras, *Majmooaa Waram*, Vol. 1, Mutarajam: Atayi, Muhammad Raza (Mashhad, Bunyad Pasrohashai Islami Astaan Quds Razvi, 1369 AD), 6; Imam Al-Bukhari, Sahih Al-Bukhari, Vol. 1, Maktaba Shamla Online, Hadith: # 893; Imam Muslim, *Sahih Muslim*, Kitab al-Imara, Bab Fazilat imam al-Adil, Maktaba Shamla Online, Hadith: #3316; Dawud, *Sunan Ibn Dawud*, Maktaba Shamla Online, Hadith: # 2928.

مسعود بن عیسی، ورام بن ابی فراس، مجموعہ ورّام، ج1، مترجم: عطایی، محمد رضا (مشہد، بنیاد پژوہشہای اسلامی آستان قدس رضوی، 1369 ش)، 6 ؛امام البخاری، صحیح بخاری، ج1، باب کتاب الجمعہ، مکتبہ شاملہ آنلائن، رقم الحدیث: 893؛ امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب فضیلۃ الامام العادل، مکتبہ شاملہ آنلائن، رقم الحدیث: 3316 ؛ داؤد، سنن ابن داوود، مکتبہ شاملہ آنلائن، رقم الحدیث: 2928۔

9- Muhammad Hassan, Sahib al-Jawahar, Najafi, *Jawaher Kalam fi Sharh Sharia al-Islam*, Vol. 31 (Beirut, Dar Ihiya al-Turath al-Arabi, 1404 AH), 290.

محمد حسن، صاحب الجواہر، نجفی، جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام، ج31 (بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1404ق)، 290۔

10- Abu al-Qasim, Payandeh, *Nahj al-Fasaha* (Tehran, Dunyai Danesh, 1382 AD), 391-

ابو القاسم، پاینده، نہج الفصاحۃ (تہران، دنیای دانش، 1382 ش)، 391۔

11- Muhammad bin Yaqoob, Kulaini, *Al-Kafi*, Vol. 3 (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiat, 1407 AH), 40-

محمد بن یعقوب، کلینی، الکافی، ج3، (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1407ق)، 40۔

12- Ibib, Vol.6, 27.

ایضاً، ج6، 27۔

13- Ibib, Vol. 11, 15.

ایضاً، ج11، 15۔

14- Ahmad bin Muhammad bin Khalid, Barqi, *Al-Mahasen*, Vol. 2 (Qom, Dar al-Kutub al-Islami, 1371 AD), 624; Kulaini, *Al-Kafi* Vol. 6, 531-

احمد بن محمد بن خالد، برقی، *المحاسن*، ج2 (قم، دار الکتب الاسلامیۃ، 1371ق)، 624؛ کلینی، *الکافی*، ج6، 531۔

15- Shuairi, *Jamia al-Akhbar (Lal Shuairi)*, 124.

شعیری، *جامع الأخبار (للشعیری)*، 124۔

16- Kulaini, *Al-Kafi*, 47-

کلینی، *الکافی*، 47۔

17- Abd ul-Hamid ibn Hibatullah, Ibn Abi al-Hadid, *Sharaha Nahj al - Balaghah Ibn Abi al-Hadid*, Vol. 20 (Qom, Maktaba Ayatollah al-Marashi al-Najafi, 1404 AH), 26.

عبدالحمید بن ہبۃ اللہ، ابن ابی الحدید، *شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید*، ج20 (قم، مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی النجفی، 1404ق)، 26۔

18- Syed Abdul Hussain, Tayyeb, *Tayyeb Bayan fi Tafsir al-Qur'an*, Vol. 7 (Tehran, Islam Publications, 1378 AD), 164.

سید عبدالحسین، طیب، *اطیب البیان فی تفسیر القرآن*، ج7 (تہران، انتشارات اسلام، 1378ش)، 164۔

19- Nassir Makarem Shirazi, *Tafsir Namona*, Vol. 9 (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiyya, 1374 AD), 330.

ناصر مکارم، شیرازی، *تفسیر نمونہ*، ج9 (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1374ش)، 330۔

20- Tayyeb, Seyyed Abdul Hossein, *Tayyeb Bayan fi Tafsir al-Qur'an*, Volume7 (Tehran, Islam Publications, 1378), 165.

طیب، سید عبدالحسین، اطیب البیان فی تفسیر القرآن، ج7 (تہران، انتشارات اسلام، 1378ش)، 165

21- Mohsen, Qaraati, *Tafsir Noor*, Vol. 6, (Tehran, Markaz Farangi dars hai az Qur'an, 1383 AD), 41.

محسن، قرائتی، *تفسیر نور*، ج6 (تہران، مرکز فرہنگی درسھایی از قرآن، 1383ش)، 41۔

22- Kulaini, *Al-Kafi*, 46; Muhammad bin Hassan, Sheikh Har Aamili, *Al-Wasal al-Shi'a*, Vol. 21 (Qom, Mohwasa Al-Bayt(a.s), 1409 AH), 473; Muhammad Mohsen bin Shah Murtaza, Faiz Kashani, *Al-Wafi*, Vol. 23 (Isfahan, Kitab Khana Imam Amir al-Momineen Ali (a.s), , 1406 AH), 1380.

کلینی، *الکافی*، 46؛ محمد بن حسن، شیخ حر عاملی، *وسائل الشیعۃ*، ج21 (قم، مؤسسۃ آل البیت علیہم السلام، 1409ق)، 473؛ محمد محسن بن شاہ مرتضی، فیض کاشانی، *الوافی*، ج23 (اصفہان، کتابخانہ امام امیر المؤمنین علی علیہ السلام، 1406 ق)، 1380۔

23- Abu al-Qasim, Payandeh, *Nahj al-Fasaha*, (Tehran, Dunyai Danesh, 1382 AD),259-

ابوالقاسم، پایندہ، *نہج الفصاحۃ* (تہران، دنیای دانش، 1382ش)، 259۔

24- Mohammad Mohammadi, Ray Shahri, *Danishnama mam Hussain*, Vol. 1 Mutrajam: Abdul Hadi, Masoudi (Qom, Sazman chap wa Nashir Dar al-Hadith, 1388 AD). 225, 227, 229.

محمد محمدی، ری شہری، دانشنامہ امام حسین، ج 1، مترجم: عبدالهادی، مسعودی (قم، سازمان چاپ و نشر دارالحدیث، 1388ق)، 225،227،229۔

25- Kulaini, *Al-Kafi*, Vol. 4, 1-

کلینی،الکافی، ج4، 1۔

26- Sheikh Har Aamili, *Al-Wasal al-Shi'a*, Vol. 15, 249 .

شیخ حر عاملی، وسائل الشیعۃ،ج15، 249۔

27- Ibid, Vol. 21, 483; Kulaini, *Al-Kafi*, ,49.

ایضاً، ج21، 483؛ کلینی،الکافی، 49۔

28- Makarem Shirazi, Tafsir al-Namona, Vol. 2, 188.

مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج2، 188۔

29- Masoud bin Isa, Waram bin Abi Faras, *Majmooaa Waram*, Vol. 2, Mutrajam: Muhammad Raza, Atayi, (Mashhad, Bunyad Parsohashai Islami Astan Quds Razvi, 1369 AD). 155.

مسعود بن عیسی، ورام بن ابی فراس، مجموعہ ورّام، ج2، مترجم: محمد رضا، عطایی (مشہد، بنیاد پژوہشای اسلامی آستان قدس رضوی،1369ش)، 155۔

30- Payandeh, *Nahj al-Fasaha*, 447-

پاینده، نہج الفصاحۃ،447۔

31- Tayyeb, *Tayyeb Bayan fi Tafsir al-Qur'an*, Vol. 3, 48.

طیب،اطیب البیان فی تفسیر القرآن، ج 3، 48۔

32- Kulaini, Muhammad bin Yaqoob, *Al-Kafi* (i-Islami), vol. 5, (Tehran, Dar al-Kutub al-Islami, 1407 AH),125.

کلینی، محمد بن یعقوب،الکافی (ط-الاسلامیۃ)، ج5، (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1407ق)، 125۔

33- Majlisi, Muhammad Baqir, *Bihar al-Anwar*, vol. 57, (Beirut, Dar Ihiya al-Trath al-Arabi, 1403 AH), 342.

مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج 57 ، (بیروت، دار إحیاء التراث العربی،1403ق) ، 342۔

34- Ibid, Vol.45, 8.

ایضاً، ج45، 8۔

35 - Kulaini, *Al-Kafi*, Vol. 11, 443.

کلینی،الکافی، ج11، 443۔

36- Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 71, 80.

مجلسی، بحار الانوار، ج 71،80۔

37- Ibid, Vol.11, 268.

ایضاً، ج11، 268۔

آئمہ اربعہ کی نظر میں اہل بیت علیہم السلام کی فضیلت و برتری

The Excellence and Superiority of Ahl al-Bayt (a.s.) From the View Point of 4 Imams

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr. Qaisar Abbas
PhD. Islamic History, NDU, Islamabad.
E-mail: qaisarjafri512@gmail.com

Abstract:
It is an undisputed fact that more or less all Muslim sects and sects adhere to the Book of God and the Sunnah of the Prophet in one form or another, and love and affection for the Ahl al-Bayt of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) is evident in the hearts of the majority of Muslims, and they have these entities. The process of seeking guidance and religious guidance is also ongoing. However, some people are convinced of the excellence and superiority of some companions of the Prophet over the Ahl al-Bayt, the Imams of the Ahl al-Bayt; While the majority of Muslims are convinced of the excellence and intellectual superiority and perfection of the Ahl al-Bayt, and according to them, the Imams of the Ahl al-Bayt have the intellectual superiority over the entire Prophet's Ummah, as well as excellence and superiority in piety and piety.
Of course, this is the reason that from the point of view of jurisprudence, the Arbaa imams of Ahlul-Sunnah namely Imam Abu Hanifa, Imam Malik, Imam Ahmad bin Hanbal and Imam Shafi'i were greatly influenced by the Prophet's family, and they

Shafi'i were greatly influenced by the Prophet's family, and they also gained favor from the Imams of Ahl al-Bayt directly or indirectly. Therefore, the question arises that according to the Imams of Arbaa, are the Ahl al-Bayt the ones with the attributes that are the most superior among the virtues and the true right of the leadership of the Ummah, or does this position and status belong to someone else? This paper answers this question. The thesis has been edited under the descriptive-analytical method from the research-historical point of view and in it libraries and original and original sources as well as other authentic books and articles have been used.

Key Words: Imams, Arba'ah, Ahl al-Bayt, Masalik, Shia, Hanafi, Maliki, Hanbali, Shafi'i.

خلاصہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کم و بیش تمام مسلمان فرقے اور مسالک کسی نہ کسی صورت میں کتاب الٰہی اور سنّت نبوی سے متمسک ہیں اور اہلِ بیت رسول ﷺ سے محبت و مودّت مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں میں جلوہ فگن ہے اور ان کے ہاں اِن ہستیوں سے تمسک اور دینی رہنمائی حاصل کرنے کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے۔ البتہ کچھ لوگ اہل بیت، حری کہ ائمہ اہل بیتؑ پر بعض اصحابِ رسول کی فضیلت و برتری کے قائل ہیں؛ جبکہ مسلمانوں کی اکثریت اہل بیت کی فضیلت اور علمی برتری اور کمال کی قائل ہے اور ان کے نزدیک ائمہ اہل بیت پوری امت رسول پر علمی برتری کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور پارسائی میں بھی فضیلت و برتری کے حامل ہیں۔ یقیناً یہی وجہ ہے کہ فقہی اعتبار سے اہلِ سنت کے آئمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی آلِ رسول ﷺ سے بے حد متاثر تھے اور انہوں نے مستقیم یا غیر مستقیم ائمہ اہل بیت سے کسبِ فیض بھی کیا۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک آیا اہل بیت ہی وہی ذوات والا صفات ہیں کہ جو فضائل مناقب میں سب سے برتر اور رہبری امت کی حقیقی حقدار ہیں یا یہ مقام و منزلت کسی اور کو حاصل ہے؟ یہ مقالہ اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔ مقالہ ہذا تحقیقی تاریخی نقطہ نظر سے توصیفی۔ تحلیلی طریقہ کار کے تحت تدوین پایا ہے اور اِس میں لائبریریز اور اصلی و اولی مصادر کے ساتھ ساتھ دیگر مستند کتب و مقالات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

کلمات کلیدی: ائمہ، اربعہ، اہل بیت، مسالک، شیعہ، حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی۔

مقدمہ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صدر اسلام سے ہی فرزندانِ اسلام کے مابین کئ علمی، عقیدتی موضوعات پر اختلاف ہوا جس نے آگے چل کر مختلف کلامی اور فقہی مکاتب کی شکل دھار لی۔ ابتدائی طور پر دو اہم گروہ یعنی اہلِ تشیع اور اہل تسنن سامنے آئے جن کا عمدہ اور اصل اختلاف پیغمبر اکرم ﷺ کی جانشینی کے موضوع پر ہوا اور جہاں اِس اختلاف میں مزید خلیج حائل ہوتی رہی وہاں، اِن دو عمدہ گروہوں کے خود اپنے اندر بھی تفریق اندر تفریق کا سلسلہ جاری رہا اور مکاتب و مسالک اور فرق و نحل کی تعداد 72 سے بھی تجاوز کر گئ۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ فقہی لحاظ سے مسلمان 5 اہم فقہی مکاتب یعنی شیعہ امامی، حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

البتہ یہ بات خوش آئند ہے کہ ان تمام تر اختلافات اور فرقہ بندیوں کے باوجود، کم و بیش تمام مسالک کے ہاں، خود کتاب الٰہی اور سنّت نبوی سے تمسک کسی نہ کسی صورت میں باقی رہا۔ نیز مسلمانوں کے تمام فقہی، کلامی مسالک کے بانیوں اور پیروکاروں نے کسی نہ کسی رنگ میں اہل بیت رسول ﷺ اور بالخصوص ائمہ اہل بیت کے دروازہ سے کسب فیض کیا۔ یہاں تک کہ فقہی اعتبار سے آئمہ اہلِ سنت یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی بھی اہلِ بیت اور آلِ رسول ﷺ سے بے حد متاثر تھے اور ان میں سے بعض نے بطور مستقیم بعض ائمہ اہل بیت کی شاگردی اختیار کی۔ اِس مقالہ میں مقالہ نگار نے یہ ثابت مطابق آئمہ اربعہ اہل سنت کی گفتار و نوشتار اور اشعار و کردار سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد فضائل و مناقب، احکام الٰہی کے اجراء اور امت اسلام کی رہبری کے لئے افضل ترین افراد عترت و اہل بیت پیغمبر (ص) اور بالخصوص ائمہ اہل بیت ہیں۔

اسلام، عقلانیت کا دین

اسلام ایک عقلی و علمی دین ہے۔ یہ کبھی عقل و منطق کے خلاف احکامات جاری نہیں کرتا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض مقامات پر انسانی اور بشری عقل اسلام کے بعض آسمانی فرمودات کو درک کرنے سے قاصر ہو۔ اس آسمانی دین کے بابرکت اور برتر اصولوں میں سے ایک گوہرِ آبدار اور عقل و منطق کی ہر تعریف پر سو فیصد پورا اترنے والا اصول اور قانون یہ ہے کہ: "فاضل، مفضول سے برتر ہے!" اس مضمون میں تحقیقی، تاریخی، حدیثی اور عقلی نقطۂ نظر سے ان عظیم و برتر ہستیوں کی شناخت اور تعارف کی سعی کی گئی ہے جو اس لئے رہبر و رہنما قرار دیے گئے ہیں کیونکہ دوسروں سے فضائل و کمالات میں برتر ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام

بعض مسلمانوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اہل بیت، اہلِ خانہ اور گھر والوں کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی نظر میں پیغمبر اکرم ﷺ کے اہل بیت میں آپ کے تمام اہلِ خانہ اور گھر کے وہ تمام افراد شامل ہیں جو آپؐ کی چار دیواری کے اندر رہے۔ لیکن بعض مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اہل بیت کا عنوان ظاہری، مادی اور بیالوجیکل روابط اور تعلقات سے ماوراء ہے اور یہ محض اُن ہستیوں کو شامل ہوتا ہے جو آپ کے خونی رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ علم و تقویٰ اور معنویت میں بھی پیغمبر اکرم ﷺ سے انتہائی قربت کے حامل ہوں۔ ہمارے خیال میں اس عالم آب و گل میں سبھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے اور اس کی روحانی وابستگی، جسمانی تعلقات سے زیادہ اہم، گہری اور دیرپا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اولیاء الٰہی بیالوجیکل تعلقات سے ماورا ہو کر روحانی اور معنوی رشتوں کو زیادہ اہمیت دیتے رہے ہیں کہ جس کی ایک مثال حضرت بلال حبشیؓ اور ابولہب ہیں۔ جب کردار میں قربت ہو، چاہے کہیں دُور کی بھی کوئی خونی رشتہ داری نہ پائی جاتی ہو تو حضرت بلالؓ جیسا شخص دین مبین اسلام کا پہلا مؤذن اور ریاست مدینہ کا پہلا وزیر خزانہ بن جاتا ہے۔ اِس کے برعکس، پیغمبر اکرم ﷺ کا خونی رشتہ دار، ابولہب علیہ اللعنہ والعذاب اپنی بدکرداری کی وجہ سے اس مقام پر جا کھڑا ہوتا ہے کہ قرآن کریم اُسے منفور قرار دیتے ہوئے اس کے گلے میں (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ) کا طوق ڈال دیتا ہے۔ یا حضرت نوح علیہ السلام کے خونی بیٹے کے بارے میں ارشاد پروردگار ہوتا ہے کہ: انه لیس من اهلك۔ یعنی اے نوح! یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے؛ کیونکہ یہ بد عمل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے الٰہی اور اولیائے خدا کے نزدیک جسمانی، مادی اور بیالوجیکل رشتوں سے معنوی و روحانی اور کردار کے رشتے زیادہ استوار ہیں۔ اور جب یہ بات واضح ہو گئی کہ تمام انبیائے الٰہی اور اولیاء اللہ اپنے مادی اور جسمانی روابط سے معنوی اور روحانی تعلقات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، تو جو سید الانبیاء ہیں وہ تو بطریق اولی اس پیمانہ و معیار الٰہی کے مظہر ہوں گے۔ بنابریں، پیغمبر اکرم ﷺ کے رشتہ داروں میں بھی وہی لوگ آپ کے اہل شمار ہوں گے جو کردار میں آپ سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ پیامبر گرامی اسلام ﷺ نے جب (بضعة منی) کہا تو سب کے لئے نہیں بلکہ صرف فاطمہ زہراؑ کے لئے اور جب چادر تطہیر میں لیا تو وہاں بھی بیالوجیکل رشتوں کو بنیاد نہیں بنایا بلکہ بعض معنوی و روحانی عزیزوں کو ساتھ لے کر یہ فیصلہ کر دیا کہ میرے اہل بیت فقط وہ ہیں کہ جو کردار و گفتار میرے سب سے زیادہ نزدیک ہیں، جن پر صدقہ حرام ہے اور جو روز مباہلہ میرے ساتھ تھے۔

اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اہل بیت حضرت محمد (ص) میں صرف، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی

حضرت فاطمہ زہراؑ، آپ کے چچازاد اور داماد حضرت علیؑ اور ان کے دو صاحبزادے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ اور اولاد حسین میں وہ نو(۹) امام ہیں کہ جو پیامبر اعظم ﷺ کے خونی رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار میں بھی ہمانند مصطفیٰ (ص) مقام محمود تک پہنچے ہوئے تھے۔

اس اعتبار سے یہ حقیقت قرین قیاس ہے کہ اہل سنت کے آئمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کے ہاں اہل بیت فقط مادی اور بیالوجیکل رشتہ دار نہیں، بلکہ وہ ہیں جو خونی رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار میں بھی آپ (ص) جیسے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی نام لے کر اور کبھی اشارہ کنایہ میں اس حقیقت کا مختلف مقامات پر اظہار کیا کہ جس کا ذکر اسی تحریر میں آگے چل کر کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ اہل بیتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے سامنے زانوئے تلمذ دراز کیا، ان کی کلاسز میں شرکت فرما کر کے ان سے کسب فیض کرتے ہوئے ان کی شاگردی پر افتخار کیا اور انہوں نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اہل بیتؑ ہی امت مسلمہ کی دینی و سیاسی رہبری کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں ان کی آراء و اعتقادات سے آگاہی بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے، لہٰذا ذیل میں ان میں سے ہر ایک کی **آراء** اختصار کے ساتھ زیر بحث لائی جاتی ہے:

حضرت ابو حنیفہ، محمد بن نعمان کی آراء (80-150ق)

جنگ صفین میں علیؑ کی حقانیت پر یقین

ایک دن حضرت ابو حنیفہ نے اپنے دوستوں سے پوچھا: "أَتَدرونَ لمَ يُبغضُنا أهلُ الشام؟ قالوا: لا؛ قال: لأنّا لو شَهدنا عَسكَرَ عليّ بن ابی طالب و معاويةَ، لَكُنّا مَعَ عليّ رضی اللّه عنه"[1] "کیا آپ کو پتہ ہے کہ کیوں اہل شام ہم سے بغض و کینہ رکھتے ہیں؟ جواب ملا نہیں۔ فرمایا: اس لیے کہ اگر ہم علی بن ابی طالبؑ اور معاویہ کے زمانے میں ہوتے اور ان کی جنگوں میں بھی شریک ہوتے تو ہم حضرت علیؑ کے ساتھ کھڑے ہو کر معاویہ سے جنگ کرتے اور ہر حال میں علی رضی اللہ تعالی عنہ کے لشکر کا حصہ ہوتے۔" یہ وہ راز تھا کہ جسے اہل شام نے درک کر لیا تھا اور انہوں نے حضرت ابو حنیفہ کے خلاف دل میں کینہ رکھ لیا تھا کہ جو آج تک کسی نہ کسی صورت میں علی والوں کے بارے میں حامیان امیر شام دل میں رکھے ہوئے ہیں۔

اہل بیتؑ کی محبت اور ان کے فضائل کا اقرار

حضرت ابو حنیفہ نے اپنے اصحاب سے پوچھا: "أَتَدرونَ لمَ يبغضُنا أهلُ الحديث؟ قالوا: لا؛ قال: لأنّا نُحبُّ أهلَ بيت رسول الله صلّى اللّه عليه وآله و نُقرُّ بفضائلهم"[2] "کیا آپ کو معلوم ہے کہ اہل حدیث

ہم سے کیوں بغض و کینہ رکھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ حضرت ابو حنیفہ نے فرمایا: اس لئے کہ ہم رسول اللہ (ص) کے اہل بیتؑ سے محبت کرنے والے اور ان کے فضائل کا اقرار کرتے ہیں۔"

یہ روایات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حضرت ابو حنیفہ کو بھی آج کے محبان اہل بیتؑ کی طرح، دشمنان اہل ابیت کی جانب سے بغض و عداوت کا سامنا تھا کہ جس اظہار انہوں نے متعدد مقامات پر فرمایا، لیکن انہوں نے اس کا بڑی شجاعت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ گویا وہ محب اہل بیت ہونے کے ساتھ ساتھ دشمنان اہل بیتؑ سے اظہار بیزاری بھی کیا کرتے تھے اور بات کو مکتب اہل بیت میں تولی و تبری کہا جاتا ہے جو کہ ان کے فروعات دین میں شامل ہیں۔

مسئلہ خلافت میں علی علیہ السلام کے حق پر ہونے کا اعتقاد

حضرت ابو حنیفہ ہمانند شیعیان علی خلافت رسول خدا (ص) کو بعد از پیامبر حضرت علیؑ کا حق سمجھتے تھے کہ جس کا انہوں نے متعدد مرتبہ اظہار فرمایا جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو حنیفہ نے اپنے شاگردوں پوچھا: "اَتَدرونَ لمَ یُبغضُنا أہلُ الحدیث؟ قالوا: لا؛ قال: لأنَّا نَثبُت خلافَةَ علیّ رضی اللّٰہ عنه و ہم لایُثبتونَہا"[3] "کیا تمہیں معلوم ہے کہ اہل حدیث ہم سے کیوں بغض و عداوت رکھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا نہیں! اس پر حضرت ابو حنیفہ نے فرمایا: اس لیے وہ ہم سے ناراض ہیں کیونکہ ہم خلافت کو علیؑ کا حق سمجھتے ہیں اور وہ اس خلافت کو علیؑ کا حق نہیں سمجھتے۔"

اس کے ساتھ ساتھ اس بات کے ثبوت بھی ملتے ہیں کہ حضرت ابو حنیفہ کا رجحان اس زمانے کے شیعہ کی طرف تھا مگر یہ کہ بعض سیاسی حالات کے پیش نظر انہوں نے خود کو مخفی رکھا ہوا تھا جس کا اشارا اس بات سے ملتا ہے کہ ایک مقام پر محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں: "---إنّ أباحنیفةَ شیعیٌ فی مُیوله و آرائه فی حکام عصره، أی إنّه یری الخلافةَ فی أولاد علیّ من فاطمة و أنّ الخلفاءَ الذین عاصَرُوه قد اغتَصَبُوا الأمر منہم و کانوا لہم ظالمین"[4] "ابو حنیفہ کا رجحان اپنے زمانے کے شیعہ کی طرف تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ خلافت کے حقیقت میں حقدار اولاد علیؑ و فاطمہؑ ہیں اور دیگر سب باطل پر ہیں لہذا انہوں نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کرکے اہل بیتؑ پر ظلم کیا ہوا تھا۔"

امام صادق علیہ السلام کا تمام علماء سے بڑا عالم (اعلم) ہونے پر اعتقاد

تاریخ اسلام اس بات کی متعدد مقامات پر تصدیق کرتی ہے کہ حضرت ابو حنیفہ اپنے زمانے میں جز امام جعفر صادقؑ کے کسی کو اعلم نہیں سمجھتے تھے لہذا جب بھی ان سوال کیا گیا کہ امت میں سب سے بڑا عالم، عابد، زاہد، پرہیزگار، متقی اور شایستہ رہبری بعد از پیامبر کون ہے؟ تو وہ زمان و مکان کا جائزہ لینے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ عصر حاضر میں حضرت جعفر ابن محمدؑ ہیں۔ لہذا آپ سے پوچھا گیا آپ نے اپنی زندگی میں جو سب سے بڑا عالم دیکھا ہے وہ کون ہے؟ جواب دیتے ہوئے فرمایا: "ما رَأَیتُ أحداً أفقَه من جعفربن محمّد الصّادق و إنّه

أعلم الأمّة" [5] "میں نے آج تک جعفر بن محمد جیسا عالم انسان امت میں نہیں دیکھا، لہٰذا وہ اعلم امت ہیں۔"

ایک اور مقام پر حضرت ابو حنیفہ نے فرمایا: "لولا جعفربن محمّد، ما عَلمَ النّاسُ مناسک حجّہم[6]"

"اگر جعفر ابن محمد نہ ہوتے تو لوگوں کو مناسک حج کا بھی علم نہ ہوتا۔"

حضرت ابو حنیفہ معتقد تھے کہ اگر جعفر بن محمدؑ نہ ہوتے تو شریعت محمدی مفقود ہو جاتی یہاں تک کہ لوگوں کو مناسک حج کا بھی علم نہ ہوتا، گویا آپ کے زمانے میں اس قدر فقہی احکام میں تبدیلیاں کی جا چکی تھیں کہ فقہ ناب محمدی (ص) آہستہ آہستہ صفحہ ہستی سے مٹتی جا رہی تھی اور ان کی جگہ من گھڑت احکام کا بول بالا کیا جا رہا تھا۔ شاید یہی وہ نظریہ ہے کہ جس کے پیش نظر شیعیان علیؑ فقہ محمدی (ص) کو فقہ جعفری کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ وہ امام جعفر صادقؑ کو احیا گر فقہ محمدی (ص) سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام جعفر صادقؑ کا زمانہ آنے تک فقہ محمدی میں اس قدر تبدیلیاں ہو چکی تھیں کہ لوگوں کو پیامبر گرامی اسلام (ص) کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق وضو تک کرنا نہیں آتا تھا، ایسے حالات میں امام جعفر صادقؑ نے چار ہزار شاگردوں کی تربیت فرمائی اور انہیں فقہ ناب محمدی (ص) سے اس طرح آشنا کیا کہ انہوں نے فقہ محمدی (ص) کو فقہ جعفری سے پہچاننا شروع کر دیا۔[7]

منصور دوانیقی نے ایک دن حضرت ابو حنیفہ کو بلایا اور کہا کہ لوگ جعفر ابن محمد سے محبت کرتے ہیں، لہٰذا تم چند سخت ترین سوال تیار کرو تاکہ وہ ان کا جواب نہ دے سکے۔ حکم حاکم کے پیش نظر میں نے 40 سخت ترین سوال تیار کیے؛ اس کے بعد منصور نے مجھے اپنے پاس بلایا اور میں بھی ان کے پاس چلا آیا، ایسے عالم میں کہ جعفر بن محمد ان کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی میری نظر ان پر پڑی تو ان کی ہیبت نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا پس میں نے ان پر سلام کیا اور ان کے اشارے پر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد منصور نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنے سوالات ابھی ابی عبداللہ جعفر بن محمد سے پوچھ لیں۔ بس میں سوال کرتا جا رہا تھا اور وہ جواب دیتے جا رہے تھے اور یہ بھی فرما رہے تھے کہ اہل مدینہ آپ کے اس سوال کے بارے میں یہ کہتے ہیں اور اہل شام اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں جب کہ آپ اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں اور ہماری نظر اس کے بارے میں اس طرح ہے یہاں تک کہ چالیس سوال ختم ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابو حنیفہ نے فرمایا:

"ألیس قد رَوَینا أنّ أعلمَ الناس أعلَمُہم باختلاف النّاس"[8]

"ہم نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ عالم ترین انسان وہ ہوتا ہے جو اپنا ٹھوس موقف رکھنے کے ساتھ ساتھ مختلف علماء کی آراء سے بھی آگاہ ہو۔"

امام صادق علیہ السلام کا شاگرد ہونے کو اپنے لئے ذریعہ نجات تصور کرنا

حضرت ابو حنیفہ عموماً امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں جا کر آپؑ سے بہت سارے سوالات نہایت ہی ادب و

احترام سے پوچھا کرتے تھے اور بار بار انہیں کہتے تھے کہ: "جُعلتُ فداکَ یابن رسول اللّٰہ"[9] "آپ پر قربان جاؤں اے فرزند رسول!"

اسی طرح حضرت ابو حنیفہ کا یہ مشہور شعار تھا کہ جو عموماً آپ دہرایا کرتے تھے: "لولا السنتان لہلک النّعمان"[10] "اگر وہ دو سال جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی میں، میں نے گزارے ہیں، وہ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔"

جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے حق پر ہونے کا اقرار

نقل کیا گیا ہے کہ جنگ جمل کے بارے میں حضرت ابو حنیفہ سے سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: "۔۔۔سار علیّ فیہ بالعدل و ہو أعلمُ المسلمینَ فی قتال أہل البغی"[11] "جنگ جمل کے دن علی علیہ السلام نے ان کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کیا، کیونکہ وہ داناترین اور عادل ترین انسان تھے یہاں تک کہ اپنے دشمنوں اور باغیوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف سے کام لیا کرتے تھے۔"

اہلبیتؑ کا دفاع اور ظالم حاکموں سے دشمنی و مخالفت

حضرت ابو حنیفہ نے سن 121 ہجری میں زید بن علی بن حسین علیہ السلام کی قیادت میں ظالم حکومت کے خلاف ہونے والے قیام میں ان کی مدد کی اور ان کی دعوت پر لبیک کہا اور ظالم حکمرانوں کی نابودی کے لئے انہوں نے اپنا مال خرچ کیا۔ یہاں تک کہ زید بن علی کے خروج کو حضرت ابو حنیفہ نے رسول اللہ ﷺ کے غزوہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت زید کی مدد کرنا ایسے ہی ہے جیسے غزوہ بدر میں رسول اللہ (ص) کے ساتھ مل کر کفار اور مشرکین کے مقابلے میں جہاد کرنا ہو۔[12]

حضرت ابو حنیفہ اپنے زمانے کی اموی اور عباسی حکومتوں کی مدد کرنے کو حرام تصور کرتے تھے کیونکہ وہ انہیں ظالم و جابر حکمران سمجھتے تھے۔ خلیفہ منصور دوانیقی نے حضرت ابو حنیفہ کو کوفہ سے بغداد بلایا اور انہیں قاضی القضاۃ کا منصب پیش کیا، یہاں تک کہ حضرت ابو حنیفہ نے اسے بھی قبول نہ کیا اور نہ ہی بادشاہ کے حکم کے سامنے سرنگوں ہوا، آخرکار منصور نے انہیں زہر دلوا کر شہید کر دیا۔[13]

صاحب تفسیر المنار قرآن حکیم کی اس آیت "۔۔۔لَایَنَالُ عَھدِی الظّالِمِینَ" (124:2) کے ذیل میں لکھتے ہیں حضرت ابو حنیفہ اس آیت کی وجہ سے اس وقت کے عباسی حاکم کے شدید دشمن تھے اور اس کی مخالفت کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے حکومت کی طرف سے ملنے والے قاضی القضاۃ کے منصب کو بھی ٹھکرا دیا۔ اس کے علاوہ مختلف مصادر کے مطابق اہل سنت کے تمام آئمہ اربعہ اپنے اپنے زمانے کی حکومتوں کے دشمن تھے اور انہیں ظالم تصور کیا کرتے تھے۔

"إِبَاءَ أَبِي حَنِيفَةَ مِنَ الْأَئِمَّةِ مَنْصِبَ الْقَضَاءِ فِي زَمَنِ الْمَنْصُورِ وَأَمْثَالِه مِنَ الْأُمَرَاءِ، بِاعْتِقَادِ عَدَمِ صِحَّةِ إِمَامَتِهِمْ، وَعَدَمِ انْعِقَادِ وِلَايَتِهِمْ --- إِنَّ هٰؤُلَاءِ الْأَئِمَّةَ الْأَرْبَعَةَ لمیَسْلَمُوا مِنْ أُولَئِكَ الظَّالِمِينَ"۔[14]

مذکورہ بالا نکات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت ابو حنیفہ کے نزدیک صرف اہل بیت محمد (ص) ہی لائق فضائل و مناقب تھے اور وہ صرف انہی کو امت مسلمہ کی رہبری کا مشروع حقدار سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی جان تک دے دی لیکن موقف سے رو گردانی نہ کی۔

حضرت مالک بن انس کی آراء (90-179ق)

امام صادق علیہ السلام کو علم اور عمل کے اعتبار سے خدا کی بہترین مخلوق سمجھنا

حضرت مالک بن انس بھی حضرت ابو حنیفہ کی طرح اہل بیت پیامبر (ص) کے مقام و منصب کو سمجھنے والے اور ان سے اظہار محبت و مودت کرنے والوں میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے بھی اہل بیت پیامبر کے متعدد فضائل نقل ہوئے ہیں کہ جن میں وہ بھی دینی و سیاسی رہبری کا مشروع مستحق خاندان نبوت آئمہ ہی کو گردانتے تھے۔ چونکہ وہ ان کے حق کے عارف تھے اس لئے ان کے برابر کسی کو بھی نہیں مانتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ کے بارے میں وہ عموماً فرمایا کرتے تھے: "ما رأت عينٌ و لاسمعت اذنٌ و لاخَطَرَ عَلى قَلب بشر افضل من جعفربن محمّد الصادق، فضلاً و علماً و عبادة و ورعاً"[15]

"میں نے عبادت اور تقویٰ کے اعتبار سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے افضل اور برتر، نہ کبھی دیکھا ہے نہ کسی سے اس کا ذکر سنا ہے اور نہ ہی ایسے شخص کا کبھی میرے دل میں خیال آیا ہے۔"

عظمت امام کی حد ہے کہ آپ اس بات کا تصور تک کرنے کو تیار نہیں کہ کوئی خاندان نبوت کے اماموں کے برابر ہو۔ جب آپ امام صادقؑ کے اس حد تک معتقد تھے تو آپ کسی اموی یا عباسی حکمران کو ان کے ہوتے ہوئے کیسے افضل و برتر سمجھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نزدیک رہبری امت کے لئے مناسب ترین گزینہ صاحب تقویٰ شخص ہے جو کہ صرف از صرف امام صادقؑ تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک اور مقام پر آپؑ کے تقویٰ و پرہیزگاری، معنوی کمالات اور علم و حلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "و ما رأيتُه يُحَدّثُ عن رسول‌اللّٰه صلّى‌اللّٰه عليه و آله الاّ على طهارة و قد اختلفت اليه زماناً و ما كنتُ أراه الاّ على ثلاث خصال، إمّا مصلّياً و إمّا صائماً و إمّا يقرأ القرآنَ و لايتكلّم فيما لايَعنيه و كان من العلماء و العُبّاد و الذين يَخشَون اللّٰه عزّ و جلّ"[16] "میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کی ہو اور وہ وضو کے بغیر ہوں۔ میں ایک طولانی مدت تک ان کی

خدمت میں حاضر ہوتا رہا لیکن کبھی بھی انہیں ان تین حالتوں سے باہر نہ دیکھا: یا وہ نماز کی حالت میں ہوا کرتے تھے، یا روزہ کی حالت میں ہوا کرتے تھے یا پھر قرآن مجید کی قرات وتلاوت کر رہے ہوتے تھے۔ انہوں نے کبھی بھی ایسی بات نہیں کی کہ جو حقیقت کے برخلاف ہو لہٰذا آپؑ عالم، عابد اور ایسے لوگوں میں سے تھے جو ہر وقت خدا کا خوف دل میں رکھنے والے ہوتے ہیں۔"

ظالم حاکم اور نظام حکومت کے مقابلے میں، امام مالک کا مکتب اہل بیتؑ کا طرفدار ہونا

امام مالک نے بھی امام ابو حنیفہ کی طرح اس وقت کے ظالم حکمرانوں سے اظہار برات کیا اور بغیر کسی تقیہ کے ظالم حکمرانوں کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ جعفر بن سلیمان، منصور دوانیقی کے چچا کا بیٹا، جو کہ اس وقت والی مدینہ تھا۔ اس نے حضرت مالک کو اس بات پر کہ وہ ان کی بیعت نہیں کر رہے تھے، اس قدر تازیانے مارے یہاں تک کہ ان کے کندھوں پر زخموں کے نشان پڑ گئے۔[17]

امام مالک نے لوگوں کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ ابو جعفر منصور دوانیقی کی بیعت کیوں نہیں کرتے یہ کہا کہ:
"تم نے بھی مجبور ہو کر اور خوف کے مارے ان کی بیعت کی ہے لہٰذا کوئی بھی قسم جو مجبوری کے عالم میں کھائی جائے وہ معتبر نہیں ہوتی۔"[18] اس طرح وہ نہ تو خود ان کی بیعت کا طوق گلے میں ڈالنے کو تیار تھے اور حتی کہ جو لوگ عباسی خلیفہ کی بیعت کر چکے تھے ان کے بارے میں بھی ان کی رائے یہ تھی کہ یہ بیعت بھی ظالمانہ طریقے سے ڈرا دھمکا کر لی گئی ہے جو کہ جائز نہیں اور جسے توڑ دینا خدا اور اس کے رسول (ص) کے نہ صرف گناہ نہیں بلکہ پسندیدہ عمل ہے۔

اس طرح حضرت مالک ابن انس بھی جہاں پر فضائل و مناقب کا حقیقی حقدار اہل بیت پیامبر کو سمجھتے تھے وہیں پر امت مسلمہ کی حکومت و رہبری کا اصلی حقدار بھی انہی ذوات والا صفات کو گردانتے تھے، یہاں تک کہ انہیں بھی اپنے اس عقیدہ کے پیش نظر ظالم حکومت اور ان کے والیوں سے متعدد مرتبہ ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑا اور بہت سارے مصائب برداشت کرنا پڑے۔

حضرت احمد بن حنبل کی آراء (164-241ق)

کوئی بھی اہل بیتؑ کا ہم پلہ نہیں

حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل بھی دیگر آئمہ اہل سنت کی طرح پیامبر اعظم (ص) کے بعد افضل ترین، برترین اور بہترین مخلوق پیامبر گرامی اسلامؐ کے اہل بیت کو مانتے تھے۔ وہ کسی بھی صورت میں صحابہ کرام، تابعین یا تبع تابعین کو وہ مقام و مرتبہ اور فضائل و مناقب نہیں دیا کرتے تھے جو اہل بیت پیامبر (ص) کے ساتھ مخصوص ہیں

اور یہ اعتقادات جہاں پر ان کے اپنے علم و فضل کے روشنی میں تھے وہیں پر انہوں نے اپنے بابا بزرگوار سے بھی ارث میں پائے تھے وہ فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ میں نے اپنے بابا سے سوال کیا کہ خلفاء میں سے کون سا خلیفہ سب سے برتر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کی مراد ابوبکر و عمر و عثمان ہیں؟ میں نے عرض کی: علیؑ بھی ان میں شامل ہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ: "علی من اہل البیت لایقاس بہم احد"[19]۔ "علیؑ تو اہل بیت میں سے ہیں لہٰذا کسی کا ان سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔"

علیؑ، نفس پیغمبرؐ ہیں

ایک اور مقام پر انہوں نے ان لوگوں سے کہ جو ان سے رسول خدا (ص) کے صحابہ کرامؓ کے بارے میں سوال کر رہے تھے فرمایا: "أسألتمونی عن أصحابه و علیٌّ نَفسُ محمّد" [20] "آپ نے اصحاب رسول کے بارے میں سوال کیا ہے جبکہ علیؑ تو نفس محمد (ص) ہیں۔"

یوں امام احمد بن حنبل قرآن مجید کی آیت مباہلہ کی رو سے حضرت علیؑ کو فقط صحابی نہیں بلکہ نفس پیامبر سمجھتے تھے کہ جس میں خود خدا حضرت علیؑ کا تعارف نفس رسول کے عنوان سے کروایا ہے: فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْاْ نَدْعُ أَبْنَاءنَا وَأَبْنَاءكُمْ وَنِسَاءنَا وَنِسَاءكُمْ وَأَنفُسَنَا وأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَةُ اللّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (61:3)

چنانچہ اب آپ کو علم (اور وحی) پہنچنے کے بعد، جو بھی اس (حضرت عیسیٰؑ) کے بارے میں آپ سے بحث کرے، تو کہہ دیجیے کہ آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلالیں اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو بلالیں اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنے نفسوں کو بلالیں اور تم اپنے نفسوں کو، بلالو، پھر التجا کریں تاکہ اللہ کی جھوٹوں پر لعنت ہو۔

امام احمد بن حنبل اس بات کو بہت اچھے طریقے سے سمجھتے تھے کہ عام صحابہ کرام میں اور نفس پیامبر میں کسی صورت برابری نہیں ہو سکتی لہٰذا وہ اپنے شاگردوں اور دیگر سائلین کو حضرت علیؑ کے عظمت و برتری کے بارے میں یہی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علیؑ نفس پیامبر ہیں کیونکہ مذکورہ بالا آیت میں نفس پیامبر (ص) کے عنوان سے رسول اللہ (ص) صرف حضرت علیؑ ہی کو میدان مباہلہ میں ساتھ لے گئے تھے۔

علیؑ، فضائل و مناقب میں تمام صحابہؓ سے افضل ہیں

حضرت احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ: "جتنے فضائل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علیؑ کے بارے میں نقل ہوئے ہیں اتنے کسی اور صحابی کے بارے میں نقل نہیں ہوئے ہیں۔

علیؑ خلافت کی زینت

حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں ایک دن میں اپنے بابا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک گروہ جو اہل کرم سے تعلق رکھنے والا تھا وہاں پر پہنچا انہوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت کے بارے میں بہت ساری باتیں کیں یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں بھی بات شروع ہوئی اور پھر اس موضوع پر بھی بہت ساری باتیں کیں۔ اس پر میرے باپ نے؛ جو اس وقت تک سر جھکائے صرف ان کی باتیں سنتے جا رہے تھے، اپنا سر اٹھایا اور ان سے کہا: "یا ہؤلاء قد اکثَرتُم فی علیّ و الخلافة و الخلافة و علیّ، إنّ الخلافة لم تُزَیّن علیاً بل علیٌّ زَیّنہا"[21] "اے جماعت یہ جو اس قدر تم نے دوسرے خلفاء کے بارے میں اور حضرت علیؑ کے بارے میں باتیں کی ہیں اور اس بات کا تکرار کیا ہے کہ خلافت اور علیؑ، علیؑ اور خلافت، یاد رکھو! خلافت نے علیؑ کو زینت نہیں دی بلکہ یہ علیؑ تھے کہ جنہوں نے خلافت کو زینت بخشی۔"

علیؑ کے ساتھ حق اور حق کے ساتھ علیؑ

احمد بن سعید رباطی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت احمد بن حنبل سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: "لم یزل علیٌّ بن أبی طالب مع الحق و الحقُّ معه حیث کان" "علی ہمیشہ حق کے ساتھ تھے اور حق ہمیشہ علی کے ساتھ تھا۔"[22]

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احمد بن حنبل کے ہاں بھی رسول اللہ (ص) کے بعد امت مسلمہ میں فضائل و مناقب اور دینی و سیاسی رہبری کے عنوان سے بہترین فرد حضرت علیؑ تھے جو نفس رسول (زندگی کے ہر شعبے میں رسول گرامی اسلامؐ جیسا ہونا) ہونے کے ساتھ ساتھ حق کی واضح دلیل تھے، گویا جدھر وہ ہوتے تھے وہی گروہ حق پر اور صراط مستقیم پر ہوتا تھا اور جو ان کے مقابلے میں ہوتے وہ سب باطل اور گمراہی کے رستے پر ہوتے تھے۔

حضرت محمد بن ادریس شافعی (150-204ق)

علیؑ کے فضائل کو چھپانا جائز نہیں

بہت ساری تاریخی اسناد سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت محمد بن ادریس شافعی نہ صرف اہل بیت پیامبر (ص) کے غلام اور عشاق میں سے تھے بلکہ وہ اس محبت اور مودت پر فخر بھی کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ بھی دیگر آئمہ اہل سنت کی طرح رسول خدا ﷺ کے بعد امت مسلمہ میں سب سے افضل و برتر اہل بیت پیامبر ہی کو گردانتے تھے۔

ان کے ہاں یہ افضیلت و برتری اس وجہ سے نہیں تھی کہ اہل بیتؑ، رسول اللہ ﷺ کے خونی رشتہ دار ہیں لہٰذا پیامبر (ص) کی وجہ سے یہ لوگ عزت دار ہیں، اگرچہ یہ بات بھی تھی لیکن حضرت محمد بن ادریس شافعی، خاندان نبوت کے فقط ان افراد کی محبت وغلامی پر فخر کیا کرتے تھے کہ جو اپنے سیرت و کردار کی بلندی کی بنیاد پر امت میں سب سے افضل تھے۔ لہٰذا انھوں نے متعدد مقامات پر اہل بیت پیامبر (ص) فضائل و مناقب بیان فرمائے یہاں تک کہ جو لوگ ان کے فضائل کو چھپایا کرتے تھے ان سے بھی وہ کہتے تھے کہ اہل بیت کے فضائل نہ چھپائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ امت حقیقی پیشواؤں کو چھوڑ کر گمراہی کے رستے پر نہ چلی جائے۔ لہٰذا آپ سے علیؑ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:"ما أقول في رجل أخفَت أولياه فضائلَه خوفاً و أخفت اعداه فضائلَه حسداً"[23] "میں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں کہ جس کے فضائل ان کے دوست، دشمنوں کے ڈر کی وجہ سے اور دشمن حسد کی وجہ سے چھپاتے ہیں!"

چونکہ ان کے زمانے میں فضائل اہل بیت کو چھپا کر دیگران کو صاحب فضائل و کمالات کے عنوان سے متعارف کروانا معمول بن چکا تھا اور حکومت وقت بھی یہی چاہتی تھی کیونکہ انہیں ہر وقت اس بات کا خدشہ رہتا تھا کہ کہیں کسی حسنی یا حسینی سید نے ہمارے خلاف قیام کر دیا تو حکومت کے لئے مشکلات کھڑی ہو جائیں گی اس لئے وہ کبھی ان کے کردار پر داغ لگوانے کی کوشش کرتے اور کبھی ان کے فضائل چھپا کر انہیں عام لوگوں کی طرح متعارف کرواتے تاکہ عوام اہل بیت پیامبر (ص) میں علیؑ اور اولاد علیؑ کو زیادہ اہمیت نہ دیں اور یہ رسم عام ہو چکی تھی۔ بعید نہیں کہ یہی تقاضا حضرت محمد بن ادریس شافعی سے بھی کیا گیا ہو کہ جس کے جواب میں آپ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا: "أنا عبيدٌ لفَتىً أنزل فيه هل أتى / إلى متى أكتمه؟ إلى متى؟ إلى متى؟"[24] "میں ایسے بہادر انسان کا غلام ہوں کہ جس کے بارے میں سورۂ ہل اِتی نازل ہوئی ہے؛ میں اس کے فضائل کو کب تک چھپاؤں؟ کب تک چھپاؤں؟ کب تک چھپاؤں؟"

علیؑ بن ابی طالب کی محبت رفض ہے، تو سن لو میں رافضی ہوں

رافضی ایک ایسا لفظ ہے کہ جس کے حوالے سے سید احمد رضا لکھتے ہیں کہ: یہ ایک ایسا لفظ ہے جو کہ ہمیشہ مخالفان شیعہ کی طرف سے، شیعہ کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے. جبکہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں: «رَفض» رَفَضَ کا مصدر ہے، کہ جس کا لغوی معنی: رِہا کرنا، سرپیچی کرنا، خلاف ورزی کرنا، مخالفت کرنا یا سائیڈ پر لگا دینا اور خودداری کرنا ہے۔ بہت سارے مختلف بیانات کے مطابق، یہ لفظ پہلی مرتبہ زید بن علی نے اپنے ان ساتھیوں کے لئےاستعمال کیا تھا، جو کہ زید کے اس عقیدے کی بنیاد پر کہ؛ مفضول، فاضل پر امام ہو سکتا ہے، اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے؛ لیکن اس کے بعد ہمیشہ اہل سنت نے شیعیان کو پہلے تین خلفاء کی بیعت سے انکار اور ان کی خلافت کو نہ

ماننے کی وجہ سے رافضی کہہ کر یاد کیا۔ یہاں پر «رافضی» کے مقابلے میں لفظ «ناصبی» پر بھی توجہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ لفظ، کہ جس کی جڑیں «نَصَبَ» سے ملتی ہیں، اس کا ایک معنای: دشمنی اور بغض رکھنے والا. (دہخدا، لغت نامہ دہخدا، ذیل مادہ)؛ اور «بدگو» نازیبا الفاظ کہنے والا ہے. درحقیقت ناصبی ایک ایسا لفظ ہے جوکہ شیعیان کی طرف سے ان لوگوں کے لئے مخصوص کیا گیا جوکہ اہل بیت پیغمبر ﷺ کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں یا جو لوگ انہیں نازیبا الفاظ سے یاد کرتے ہیں یا پھر انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ [25]

بہر صورت، جب لوگوں کو اس بات کا مکمل یقین ہو گیا تھا کہ حضرت محمد بن ادریس شافعی اہل بیت پیامبر (ص) کے حد درجہ وفادار اور غلام ہیں تو انہوں نے انہیں بھی شیعہ اور رافضی [26] کہنا شروع کر دیا اس پر آپ نے اپنے ایک اور شعر میں فرمایا:

قالوا، ترفّضتَ، قلتُ، كَلّا　　　ما الرَّفضُ دينى و لااعتقادى
لكن تولَّيتُ دونَ شكّ　　　خَيرَ امام و خَيرَ ہاد
ان كان حبّ الوصىّ رفضاً　　　فإنَّنى أرفَضُ العباد، [27]

" مجھ سے کہا جاتا ہے کہ تو رافضی ہے۔ میں ان کے جواب میں کہتا ہوں کہ میرا دین اور اعتقاد رافضی نہیں ہے؛ لیکن بغیر کسی شک و شبہ کے میں نے بہترین امام کی ولایت کا طوق اپنی گردن میں ڈالا ہوا ہے۔ اگر محبت وصی پیغمبر (ص) رفض ہے تو میں رافضی ہوں جان لو میں رافضی ہوں"

اہل بیت حبل اللہ اور سفینہ النجات ہیں

حضرت محمد بن ادریس شافعی اپنی دنیا و آخرت کی سعادت، مودت اہل بیت پیامبر (ص) میں دیکھتے تھے اور انہی کو نجات کا ذریعہ اور مضبوط رسی (حبل اللہ) پندارتے تھے اس لئے آپ نے اس زمانے میں جب لوگ مختلف وجوہات کی بنا پر مختلف گرہوں اور فرقوں میں بٹتے جا رہے تھے آپ نے فقط اہل بیت کا دامن مضبوطی سے تھام لینے میں ہی اپنی نجات سمجھی اور فرمایا:

و لمّا رأيتُ النّاسَ قد ذَہبَت بہم　　　مذاہبُہم في أبحر الغيَّ والجَہل
رَكبتُ على اسم اللّہ في سُفُن النَّجا　　　وہم آل بَيت المُصطَفى خاتَم الرسل
و أَمسَكتُ حَبلَ اللّہ وہو ولاؤہم كما قد　　　أُمرنا بالتَّمَسّك بالحبل
اذا افتَرَقَت في الدّين سبعون فرقةً　　　و نيفاً كما قد صحَّ في مُحكَم النَّقل، [28]

" جب میں نے دیکھا کہ مختلف مسالک کے لوگ، عوام الناس کو اپنے گرد جمع کر رہے ہیں اور گمراہی کی طرف کھینچ رہے ہیں تو میں اللہ سبحانہ و تعالی کی مدد سے اہل بیت اور خاتم الرسل کی کشتی پر سوار ہو گیا اور میں نے اس رسی کو پکڑ لیا جو مضبوط ترین رسی تھی اور جو چھوٹنے اور ٹوٹنے والی نہیں تھی۔ میں نے اسے اسی طرح پکڑ لیا کہ جیسے مجھے حکم دیا گیا تھا یہ اس وقت تھا کہ جب میں نے دیکھا کہ مستند روایت کے مطابق مسلمان 72 فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔"

حبّ اہل بیت واجب ہے

انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت پر کہ جس میں اہل بیتؑ کی محبت و مودت کو واجب قرار دیا گیا ہے (قُلْ لا أَسْئَلُكُمْ عَلَيهِ أَجْراً إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبى (23:42) توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

يا آل بَيت رسول الله حبّكم		فرضٌ من الله في القرآن اَنزَلَه

كفاكُم من عَظيم الفَخر إنّكُم		مَن لم يُصلّ عَليكُم لا صلاةَ لَه [29]

" اے اہل بیت رسول خدا، آپ کی محبت قرآن کی آیت کے مطابق واجب ہے۔ یہ عظمت آپ کو نصیب ہوئی کہ جب تک کوئی نماز میں آپ (محمد و آل محمدؐ) پر درود اور سلام نہ پڑھے، تو اس کی نماز باطل ہے۔"

حضرت امام شافعی کو اس بات کا خوف نہیں تھا کہ وہ محبت اہلبیت کو لوگوں کے سامنے آشکار کریں۔ اگرچہ اس راہ میں انہیں بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؛ لیکن پھر بھی اپنی محبت کا اس طرح اظہار کیا کہ تاریخ میں نقش ہو گیا لہٰذا ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

إن كان رَفضاً حبُ آل محمّد		فَليَشهد الثَّقلان أنّي رافضي [30]

" اگر کوئی شخص اپنے دل میں محمد و آل محمدؐ کی محبت رکھے تو وہ تمہاری نظر میں رافضی ہے، پس جن و انس سن لیں کہ میں رافضی ہوں۔"

ان لوگوں سے اظہار برات کے جو اہل بیت کے محبین کو رافضی کہتے ہیں

بیہقی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے کہا کہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو اہل بیت کی فضیلت اور ان کے مناقب کو سننا تک پسند نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں سننے کی تاب و توان رکھتے ہیں اور اگر کوئی ان کے سامنے اہل بیت علیہ السلام کے چند ایک فضائل بیان کرے، تو وہ کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دو یہ رافضی ہے، اس پر امام شافعی نے یہ شعر پڑھا کہ:

إذا في مجلس ذكروا علياً		و سبطيَه و فاطمةَ الزّكيّة

یقال تَجاوَزوا یاقوم ہذا　　　فہذا من حدیث الرّافضیّة
بَرئتُ إلی المُہیمن من أُناس　　　یرونَ الّرفضَ حبّ الفاطمیّة
علی آل الرّسول صَلاةُ ربّی　　　ولعنَتُه لتلکَ الجاہلیّة،[31]

” جب بھی کسی محفل و مجلس میں علیؑ اور ان کے دو بیٹے (حسنؑ اور حسینؑ) اور فاطمہ زکیہؑ کے بارے میں بات کی جائے اور ان کا ذکر کیا جائے، تو کہتے ہیں کہ اے لوگو! اس طرح کی باتوں کو چھوڑ دو یہ باتیں صرف رافضیوں کی ہیں جو کہ اپنی محفلوں میں کیا کرتے ہیں۔ بس مجھے خدائے محمد ﷺ کی قسم! میں ایسے لوگوں سے اظہار برات اور بیزاری کرتا ہوں کہ جو حُب فاطمہؑ کو رفض کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا درود وسلام ہو آل محمد پر! اور خدا کی لعنت ہو ان کے دشمنوں پر جو کہ جاہل ہیں اور جہالت کی گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔“

نتیجہ

گذشتہ مطالب کا نتیجہ اس طرح سے سامنے آتا ہے کہ رسول اللہ (ص) کے بعد، مذکورہ بالا تمام اوصاف اور خصوصیات کے پیش نظر، محکم دلائل اور فریقین کی روایات کے مطابق سب سے زیادہ صاحب فضائل و مناقب اور دینی و سیاسی مرجعیت و رہبری کا مصداق اہل بیت پیامبر (ص) کے وہ امام ہیں کہ جو ہر طرح کے ظلم و جہالت سے مبرہ، علم و حلم، سیرت و کردار اور تقویٰ و پرہیزگاری میں شبیہ مصطفیٰ (ص) اور اپنی مثال آپ ہیں۔ اہل سنت کے چاروں مکاتب کے امام یہ گواہی دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ کوئی بھی عترت پیغمبر جیسا نہیں اور نہ ہی دینی اور سیاسی مرجعیت و رہبری میں ان کا کوئی ہم پلہ تھا اس طرح وہ اپنی ذات میں سب کے سردار تھے اور یہ وہی سرداری تھی کہ جو پروردگار عالم نے الٰہی معیاروں پر پورا اترنے والوں کو ہر زمانے میں عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا وہ تمام خلفاء و ملوک کے لئے بھی اسی طرح مرجع دینی و سیاسی اور مورد احترام تھے جس طرح وہ عام مسلمانوں کے لئے تھے کیونکہ معنوی بصیرت اور مادی زندگی کے تمام سماجی و سیاسی معاملات کے ادراک اور بنی نوع انسان کو کمال کی راہوں پر گامزن کرنے میں سب سے افضل و برتر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مذاہب اربعہ کے آئمہ اربعہ نے یا تو مستقیم یا غیر مستقیم ان کی شاگردی کی اور اپنے اپنے ادوار کی سیاسی نزاکتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دنیا کو بتاتے رہے کہ اہل بیت پیامبر (ص) کے آئمہ کی مرجعیت و رہبری ہر اعتبار سے مسلم، محکم اور ناقابل انکار ہے۔

*****

References

1. Muhammad bin Aqeel, Al-Alavi al-Shafi'i, *Al-Nasa'yh al-Kafiyah liman Yatuli Mu'awiyah* (Beirut, Mohsa Al-Fajr, 1991), 36; Asad, Haider, Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah, Vol. 1 (Al-Najaf al-Ashraf, Dar al-Zahra, 1430 AH), 337.

محمد بن عقیل، العلوی الشافعی، *النصائح الکافیۃ لمن تیولی معاویۃ* (بیروت، مؤسسۃ الفجر، 1991)، 36؛ اسد، حیدر، *الامام الصادق و المذاہب الاربعہ*، ج1 (النجف الاشرف، دار الزہراء، 1430ق)، 337۔

2. Qazi Nu'man Ibn Muhammad, al-Tamimi al-Maghrabi, *Dua'im al-Islam*, Vol. 1 (Cairo, Dar al-Ma'rif, 1383 AD), 22; Haider, Asad, Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah, 337.

قاضی نعمان بن محمد، التمیمی المغربی، *دعائم الاسلام*، ج1 (القاہرہ، دار المعارف، 1383 ق)، 22؛ حیدر، اسد، *الامام الصادق و المذاہب الاربعہ*، 337۔

3. Ibid.

ایضاً۔

4. Ibid.

ایضاً۔

5. Muhammad bin Ahmad, Shams al-Din, al-Zhahabi, *Seer al-Ilam al-Nabalah*, Vol. 6 (Beirut, Mohsa Al-Rasalah, 1993), 257; Asad Haider, *Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah*, 333.

محمد بن احمد، شمس الدین، الذہبی، *سیر اعلام النبلاء*، ج6 (بیروت، مؤسسۃ الرسالہ، 1993)، 257؛ اسد حیدر، *الامام الصادق و المذاہب الاربعہ*، 333۔

6. Ibn Babawiyah (Shaikh Saduq), Muhammad bin Ali, *Min Lay Yahzra wa Al-Faqihia*, Vol. 2 (Qum, Jamaat al-Madrasin, 1404 AH), 519; Allama Halli Hasan bin Yusuf, *Minhaj al-Karama fi Marafah al-Imamah*, Vol. 2 (Mashad, Mohsa Tasua, 1379 AD), 72.

ابن بابویہ (شیخ صدوق)، محمد بن علی، *من لایحضرہ الفقیہ*، ج2 (قم، جماعۃ المدرسین، 1404 ق)، 519؛ علامہ حلّی حسن بن یوسف، *منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ*، ج2 (مشہد، مؤسسۂ تاسوعا، 1379ش)، 72۔

7. Qaiser Abbas Jafari wa Masroor Saeed Tawosi, *Rush Hahi Ahmorshi Sadiqin* (Tehran, Danishga Benul mulli Ahlbayt, 1400 AH), 42-44.

قیصر عباس جعفری و مسرور، سعید طاووسی، روش ہای آموزشی صادقین، چ دوم (تہران، دانشگاہ بین المللی اہلبیتؑ، 1400ش) 42-44۔

8. Moafaq bin Ahmad, *Khwarazmi, al-Manaqib*, Vol. 1 (Qom, MNohsa Nasher Islami, 1411 AH), 173; Al-Zahabi, Seer al-Ilam al-Nabula, 256.

موفق بن احمد، خوارزمی، مناقب، ج1 (قم، مؤسسۂ نشر اسلامی، 1411ق)، 173؛ الذہبی، سیر اعلام النبلا، 256۔

9. Asad Haider, *Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah*, 335.

اسد حیدر، الامام الصادق و المذاہب الاربعہ، 335۔

10. Al-Syed Mehmood, Shakri al-Alosi, *Mukhtasir Al-Tahf al-Tahfah al-Ithni al-Ashriyyah* (Al-Cairo, Muttaba al-Salfiyyah, 1373 AD), 8.

السیّد محمود، شکری الآلوسی، مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ (القاہرہ، مطبعۃ السّلفیہ، 1373ق)، 8۔

11. Asad Haider, *Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah*, 337.

اسد حیدر، الامام الصادق و المذاہب الاربعہ، 337۔

12. Ibid, Vol. 1, 336.

ایضاً، 336۔

13. Ibid, 338.

ایضاً، 338۔

14. Muhammad Rashid Raza, *Tafsir al-Manar*, Vol. 1 (nc., Al-Ahyia al-Masriy al-Amt'a al-Katab, 1990), 346.

محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ج1 (شہر ندارد، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، 1990م)، 346۔

15. Muhammad bin Ali, Ibn Shahr Ashub, *Manaqib al-Abi Talib*, Vol. 3 (Al-Najaf al-Ashraf, Al-Muktaba al-Haydriya, 1376 AD), 272; Asad Haider, *Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah*, Vol.4, 371.

محمد بن علی، ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج3 (النجف الاشرف، المکتبۃ الحیدریہ، 1376ق)، 272؛ اسد حیدر، الامام الصادق و المذاہب الاربعہ، ج 4، 371۔

16. Ahmad bin Ali, Ibn Hajar, Asqalani, *Tahzeeb al-Tahzeeb*, Vol. 1 (Beirut, Dar al-Sadr, 1325 AD), 88; Asad Haider, *Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah*,, 372.

احمد بن علی، ابن حجر، عسقلانی، تہذیب التہذیب، ج1 (بیروت، دار الصادر، 1325ق)، 88؛ اسد حیدر، الامام الصادق و المذاہب الاربعہ، 372۔

17. Ismail bin Umar, Ibn Kaseer Damashqi, *Al-badaiyata wa al-Nahayata*, Vol. 10 (Beirut, Maktaba al-Arif, 1411 AH), 124; Abu-ul-Faraj Muhammad bin Abi Yaqub, Ibn Nadeem, *Al-Fahrist* (Beirut, Maktaba Khayat), 198-199.

اسماعیل بن عمر، ابن کثیر دمشقی، *البدایۃ والنہایۃ*، ج10 (بیروت، مکتبۃ العارف، 1411ق)، 124؛ ابوالفرج محمد بن ابی یعقوب، ابن ندیم، *الفہرست* (بیروت، مکتبۃ خیاط، سن ندارد)، 198-199۔

18. Abdullah bin Muslim, Al-Dinwri, *Ilmamta wa al-Siyasata Mahrof ba Tarikh al-Khulfa* (Beirut, Dar al-Azwa, 1990), 81; Muhammad bin Jarir, al-Tabari, Tarikh al-Rasul wa al-Muluk, Vol. 2 (Beirut, Mohsa Al-Alami Lilmatbohaat, 1989), 190.

عبداللہ بن مسلم، الدینوری، *الإمامۃ والسیاسۃ معروف بہ تاریخ الخلفاء* (بیروت، دارالاضواء، 1990م)، 81؛ محمد بن جریر، الطبری، *تاریخ الرسل والملوک*، ج2 (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1989)، 190۔

19. Abu Bakr Ahmad bin Ali, Khatib Baghdadi, *Tarikh Baghdad ya Madinah al-Salam*, Vol. 7 (nc., Dar al-Kitab al-Arabi, nd.), 41; Abul Faraj Abdul al-Rahman bin Ali, Ibn Juzi, Manaqib al-Imam Ahmad, Vol. 1 (Beirut, Mohsa Ahl al-Bayt, 1981), 219.

ابوبکر احمد بن علی، خطیب بغدادی، *تاریخ بغداد یا مدینۃ السلام*، ج7 (شہر ندارد، دارالکتاب العربی، سن ندارد)، 41؛ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی، ابن جوزی، *مناقب الامام احمد*، ج1 (بیروت، مؤسسۃ اہل البیت، 1981)، 219۔

20. Asad Haider, *Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah*, Vol. 1 232.

اسد حیدر، *الإمام الصادق والمذاہب الأربعہ* ج1، 232۔

21. Abul Qasim Ali bin al-Hasan, Ibn Asaqir al-Shafi'i, *Tarikh Madinah wa Damashaq*, Vol. 2 (Beirut, Mohsa Al-Mahmudi, 1980), 146; Ibn Juzi, Manaqib al-Imam Ahmad, 219.

ابوالقاسم علی بن الحسن، ابن عساکر الشافعی، *تاریخ مدینۃ دمشق*، ج2 (بیروت، مؤسسۃ المحمودی، 1980)، 146؛ ابن جوزی، *مناقب الامام احمد*، 219۔

22. Ibne Asaqir, *Tarikh Madinah wa Damascus*, Vol. 3, 84.

ابن عساکر، *تاریخ مدینۃ دمشق*، ج 3، 84۔

23. Khwarazmi, *al-Manaqib*, 7; Syed Hashim, Bahrani, *Haliya Al-Abrar fi Ahwal Muhammad wa Ahle al-Athar*, Vol. 2 (Qum, Mohsa Al-Maarif al-

Islamiyya, 1413 AH), 136; Asad Haider, *Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah*, Vol. 2, 208.

خوارزمی، مناقب، 7؛ سیّد ہاشم، بحرانی، *حلیۃ الأبرار فی احوال محمد وآلہ الاطہار*، ج2 (قم، مؤسسۃ المعارف الاسلامیۃ، 1413ق)، 136؛
136؛ اسد حیدر، *الإمام الصادق و المذاہب الأربعہ*، ج 2، 208۔

24. Muhammad bin Idrees, Al-Shafi'i, *Divan Sha'ir* (Beirut, Dar al-Kitab al-Arabi, 1414 AH), 59.

محمد بن ادریس، الشافعی، *دیوان شعر* (بیروت، دارالکتب العربی، 1414ق)، 59۔

25. Syed Ahmad Raza, Khuzari, *Shi'i Dar Tarikh* (Qom, Dafter Nasher Mahrif, 1391 AD), 10.

سید احمد رضا، خضری، *تشیع در تاریخ*، (قم، دار نشر معارف، 1391ش)، 10۔

26. Ibid.

ایضا۔

27.Ibid, 72.

ایضاً، 72۔

28. Ibid, 278.

ایضاً، 278۔

29. Ibid, 115.

ایضاً، 115۔

30. Suliman bin Ibrahim, Al-Kunduzi Al-Hanafi, *Yanabi Al-Moudah Lazauwi al-Qurbi*, Vol. 3 (Beirut, Mohsa al-AlamiLilmatbohaat, 1418 AH), 2; Yaqut bin Abd-ul-Allah, Hamwi, *Mujam al-Adba*, Vol. 17 (Beirut, Dar al-Gharb al-Islami, 1993), 320; Asad Haider, *Imam al-Sadiq wa al-Mahzhab al-Arbaah*, Vol. 2, 208.

سلیمان بن ابراہیم، القندوزی الحنفی، *ینابیع المودہ لذوی القربی*، ج3 (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1418 ق)، 2؛
یاقوت بن عبداللہ، حموی، *معجم الادباء*، ج17 (بیروت، دار الغرب الاسلامی، 1993)، 320؛ اسد حیدر، *الإمام الصادق و المذاہب الأربعہ*، ج2، 208۔

31. Al-Shafi'i, *Diwan al-Shafi'i*, 152; Mofaq bin Ahmad, Khwarazmi, *Muqtal al-Hussain*, Vol. 2, 146; Ibrahim bin Muhammad, Hamui al-Jawaini, *Faraed al-Sumatiin fi Fazil al-Murtaza wa al-Batul wa al-Subtain wa al-Aima min waziam*, Vol. 1 (Beirut, Mahmoodi, 1978), 135.

الشافعی، *دیوان الشافعی*، 152؛ موفق بن احمد، خوارزمی، *مقتل الحسین*، ج2، 146؛ ابراہیم بن محمد، حموئی الجوینی، *فرائد السمطین فی فضائل المرتضی والبتول والسبطین والائمۃ من ذریتہم*، ج1 (بیروت، مؤسسۃ محمودی، 1978)، 135۔

حجاب: اسلام اور دیگر ادیان و مذاہب کی تعلیمات میں

The Veil: in the Teachings of Islam and other Religions

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Sayeda Shamila Rabab Rizvi
Research Scholar, Shah Abdul Latif University Khairpur.
E-mail: shim.haider110@gmail.com

Abstract:
The Veil *(Hijab)* refers to a barrier which lingers in between two aspects “chastity” and “immodesty”. The Veil is not only considered as a piece draping which helps men and women to cover their intimate parts from na-mahram. But it is the actuality of life in the shape of rules and regulations. Which will assist us to rescue humankind from sexual immorality, desecration of honor, exploitation of women in the name of so called freedom, sexual abuse and blasphemy of our sacred relationships.
The Veil is a condition of spiritual excellence. In this indecorous society there will be no room in the souls of men either women for mystical and spiritual experiences. If we really want each one of us to master mystical and spiritual perfection. Than we must shield ourselves against these contaminations. A false rumor has been prevalent that hijab is a product of Islam and a punishment for women. While for all seraphic and non-seraphic religions it is emphasized that veiling is obligatory on a woman especially while worshiping. In the paintings of temples and churches all over the world and in practice women scholars of every single religion wore proper hijabs.

In Christianity the dress of priest and nun is an obvious example of full hijab. This witnesses that according to most of the religions the spiritual quality of a woman requires her hijab and body modesty. In the form of hijab a woman from any religion not only regarded as virtuous and pure but also seems dignified and charismatic because hijab is for women not for any religion or creed .

Key Words: Veil (Hijab), , Islamic Teachings, Zoroastrianism, Sects, Religions.

خلاصہ

حجاب سے مراد وہ رکاوٹ ہے جو دو پہلوؤں "عفت" اور "بے حیائی" کے درمیان حائل ہے۔ حجاب کو صرف ایک ٹکڑا ہی نہیں سمجھا جاتا ہے جو مرد اور خواتین کو نامحرم سے اپنے مباشرت کے حصوں کو ڈھانپنے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن یہ اصول و ضوابط کی شکل میں زندگی کی حقیقت ہے۔ جو انسانیت کو جنسی بے حیائی، عزت کی بے حرمتی، نام نہاد آزادی کے نام پر خواتین کے استحصال، جنسی استحصال اور ہمارے مقدس رشتوں کی توہین سے نجات دلانے میں ہماری مدد کرے گا۔ حجاب روحانی فضیلت کی شرط ہے۔ اس غیر مہذب معاشرے میں صوفیانہ اور روحانی تجربات کے لئے مردوں یا عورتوں کی روحوں میں کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ اگر ہم واقعی چاہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک صوفیانہ اور روحانی کمالات میں مہارت حاصل کرے۔ اس کے علاوہ ہمیں ان آلودگیوں سے خود کو بچانا چاہیے۔ ایک جھوٹی افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ حجاب اسلام کی پیداوار ہے اور خواتین کے لئے سزا ہے۔ جبکہ تمام سیرافک اور غیر سیرفک مذاہب میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ عورت پر پردہ کرنا خاص طور پر عبادت کے دوران فرض ہے۔ دنیا بھر کے مندروں اور گرجا گھروں کی پینٹنگز میں اور عملی طور پر ہر ایک مذہب کی خواتین علماء مناسب حجاب پہنتی تھیں۔ عیسائیت میں پادری اور راہبہ کا لباس مکمل حجاب کی ایک واضح مثال ہے۔ یہ گواہی دیتا ہے کہ اکثر مذاہب کے مطابق عورت کے روحانی معیار کے لئے اس کے حجاب اور جسمانی شائستگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ حجاب کی شکل میں کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والی عورت نہ صرف نیک اور پاکیزہ سمجھی جاتی ہے بلکہ باوقار اور کرشماتی بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حجاب خواتین کے لئے ہے کسی مذہب یا مسلک کے لئے نہیں۔

کلیدی الفاظ: حجاب، اسلامی تعلیمات، زرتشت، ادیان، مذاہب۔

تاریخی پس منظر

پردے یا حجاب کا اصل تاریخی پس منظر وہی شخص لکھ سکتا ہے جو قبل از مذہب اسلام موجود اقوام و ادیان کے حالات و واقعات بخوبی جانتا ہو۔ البتہ یہ بات مصدقہ ہے کہ قبل از اسلام بھی اقوام و ادیان میں پردے کا رواج تھا۔ مطالعہ تاریخ کے تجزیہ سے یہ معلوم ہوا کے اسلامی پردے سے زیادہ سخت پردہ ہندوں، ایرانیوں اور یہودیوں میں رائج رہا ہے۔ جبکہ دور جاہلیت کے عربوں میں پردے کا رواج نہیں تھا جو بعد از اسلام ہی رائج ہوا۔[1]

حجاب کا مطلب غیر محرم کے سامنے عورت کے جسم کو ڈھانپنا اسلام کے لازمی اصولوں میں سے ایک ہے۔ دیگر الٰہی مذاہب جیسے زرتشت پسندی، یہودیت اور عیسائیت میں، یہ حکم بھی کچھ اختلافات کے ساتھ موجود ہے۔ اس سرزمین میں جہاں اسلام کا وجود ہوا، عورتیں حجاب سے ناواقف تھیں۔ کچھ مصنفین نے تبصرہ کیا ہے کہ اسلامی لباس عربوں اور ایرانیوں اور رومیوں کے مابین ثقافتی میل جول کا نتیجہ ہے اور اس کے نتیجے میں، اسلام کا کوئی خاص قانون موجود نہیں ہے کہ عورت غیر محرم کے سامنے کیسے آئے، اور جو مذہبی حکم بن گیا ہے اس کی کوئی مذہبی دستاویز نہیں ہے۔ یہ مقالہ اس نقطہ نظر کی صداقت کی چھان بین کرتا ہے۔ حجاب کی وجوہات، اسلامی حجاب کی وسعت، اس کے فلسفے اور دیگر امور جیسے امور کے علاوہ، اس سلسلے میں ایک لازمی مسئلہ اس حکم کے پس منظر کا مطالعہ کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، کیا خود اسلام نے غیر محرم مردوں کے خلاف خواتین کو پردہ کرنے کے لئے ایک خصوصی حکم و طریقہ فراہم کیا ہے یا نہیں، مسلم خواتین میں رواج کی قدیم جڑیں ہیں؟ اس مسئلے کو اٹھانے کی ضرورت اس حقیقت سے پیدا ہوئی ہے کہ کچھ لوگوں نے یہ دعوی کیا ہے کہ "ایران کے ساتھ عرب تعلقات اسلام کے دائرے میں حجاب پھیلا رہے ہیں" اور یہ مانتے ہیں کہ "مسلمانوں میں عام حجاب ایک عادت ہے کہ ایرانیوں کے مسلمان ہونے کے بعد، "یہ دوسرے مسلمانوں میں پھیل گیا۔" کچھ کا کہنا ہے، "حجاب روم اور ایران میں غیر مسلم اقوام سے اسلامی دنیا میں داخل ہوا ہے۔

توریت و انجیل کے مطابق مذاہب دیگر میں حجاب

تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ اُمتوں میں حجاب کے بارے میں بہت ہی سخت قسم کا مؤقف پایا جاتا تھا لہٰذا جب ہم غیر اسلامی تہذیبوں اور دوسرے تمدنوں سے تقابل کرتے ہیں تو قرآن کی آیات سے اس سلسلے میں ہمیں اعتدال کے نشانات اور شواہد ملتے ہیں۔

مختلف مذاہب میں حجاب کی حد اور معیار کی جانچ اور موازنہ کرتے ہوئے، یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب میں حجاب اسلام کی نسبت زیادہ شدت سے رہا ہے۔ مثال کے طور پر چہرہ ڈھانپنا حالانکہ زرتشت کے زمانے میں

یہ عام نہیں ہے، لیکن اس کے بعد زرتشت کے پیروکاروں میں یہ عام بات ہو گئی ہے۔ حجاب اور چادر کو تمام مذاہب اور فرقوں میں ایک خاص مقام حاصل ہے، اور اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ حجاب اور عفت فطری ہیں۔ آدم اور حوا کی کہانی بھی پردے کی جبلت کو ثابت کرتی ہے۔ توریت، انجیل اور قرآن مجید میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت آدم اور حوا کی کہانی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ جب آدم اور حوا نے ممنوعہ درخت کا مزہ چکھا تو، وہ اپنا لباس کھو بیٹھے (ان کی برہنگی کو بے نقاب کردیا گیا)۔ اور جلدی سے انہوں نے جنت کے درختوں کے پتوں سے خود کو ڈھانپ لیا۔ "قرآن کریم کی آیات (الأعراف،آیت 22) کے مطابق "آدم اور حوا ممنوعہ درخت چکھنے سے پہلے کپڑے پہنتے تھے۔ لیکن اس ممنوعہ درخت سے کھا کر، وہ اپنے کپڑے کھو بیٹھے اور فوراً ہی اپنے آپ کو ڈھانپنے کی کوشش کی۔ روایات کے مطابق برہنہ ہوتے ہی انہوں نے فوراً کسی بیرونی مبصر کی موجودگی کے بغیر خود کو ڈھانپ لیا۔ نے لباسی کا یہ شرم ہی پردہ و حجاب ہے۔[2]

یہ انسانوں میں لباس کی جبلت کو ظاہر کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ لباس اور حجاب آہستہ آہستہ اور تہذیبوں کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ پہلے انسان فطری طور پر اس کی طرف مائل تھے۔ اور تاریخی متن کے مطابق دنیا کی متعدد اقوام اور مذاہب میں خواتین کے درمیان حجاب عام ہے۔ اگرچہ حجاب پوری تاریخ میں بہت سے اتار چڑھاؤ سے گزرا ہے اور کبھی کبھی حکمرانوں کے ذوق و شوق سے اس میں شدت یا کمی آچکی ہے، لیکن اسے کبھی بھی مکمل طور پر ختم نہیں کیا گیا۔ اگر ہم دنیا کے ممالک کے قومی لباس پر نگاہ ڈالیں تو ہم حجاب اور اس میں خواتین کو ڈھانپتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ ممالک کے قومی ملبوسات کا دھیان سے غور کرنے سے ہمیں ان اقوام اور قبائل کی تلاش کے لئے تاریخ کی کتابوں کے صفحات کو موڑنے کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے، جن کی خواتین حجاب پہنتی تھیں، اور اس سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوتی ہے کہ حجاب دنیا کی بیشتر اقوام میں عام ہے اور مذہب سے سرشار ہے۔ یا اس کی کوئی خاص قوم نہیں تھی۔ تمام آسمانی مذاہب نے حجاب اور خواتین کے پردے کو واجب اور ضروری قرار دیا ہے اور انسانی معاشرے کو اس کی دعوت دی ہے۔ کیونکہ پردے اور حجاب کی ضرورت قدرتی طور پر خواتین کی فطرت میں جمع ہو چکی ہے اور انسانی فطرت کے مطابق مطابقت پذیر ہے خدا کے مذاہب کے احکام و قانون کو تقویت ملی ہے۔ لہٰذا تمام الہامی مذاہب میں خواتین کو ڈھانپنا اور حجاب واجب ہو گیا ہے۔ زرتشت پسندی، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے مذاہب میں خواتین کا حجاب لازمی رہا ہے۔ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے مذہبی مقدس کتابیں، مذہبی اصول اور ان الٰہی مذاہب کے ماننے والوں کے رسم و رواج اور تہذیب بہترین ثبوت ہیں۔

مذہب ہندومت میں حجاب

ہندومت میں سیتا نامی ایک عورت کو دیوی مان کر ان کی پوجا کی جاتی ہے کیونکہ انہوں نے دشمنوں کے بیچ رہ کر

بھی اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کی اور اپنی آبرو پر کوئی دھبہ نہیں لگنے دیا۔ اور ان کے دیور نے انہیں ان کی پائل سے پہچانا کیونکہ انہوں نے کبھی ان کا چہرہ نہیں دیکھا تھا یعنی ہندو مذہب میں بھی حجاب کا تصور موجود تھا اور ہے اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہندوؤں کی کتب میں بھی اس کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ ہندومت میں اونچی ذات کی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں۔ اب بھی مارواڑیوں، کائستوں، پرانی وضع کے برہمن خاندانوں اور راجستھانیوں میں بھی گھونگھٹ نما پردے کا رواج عام ہے اور اس کا التزام نہ کرنا قدیم روایت سے بغاوت تصور کیا جاتا ہے اور بہت سی جگہوں پر آج بھی موجود ہے۔ یہ گھونگھٹ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ سر چہرہ اور سینہ اچھی طرح چھپ جاتا ہے۔ ہندومت کی بنیادی کتاب وید میں پردہ کا بہت واضح حکم ملتا ہے:

"چوں کہ برہما (خدا) نے تمہیں عورت بنایا ہے اس لئے اپنی نظریں نیچی رکھو، اوپر نہیں، اپنے پیروں کو سمیٹے ہوئے رکھو، اور ایسا لباس پہنو کہ کوئی تمہارا جسم دیکھ نہ سکے۔" (رگ وید: 8،19-33)

مذہب زرتشت میں حجاب

زرتشت یعنی پارسی باالفاظ دیگر قدیم ایرانیوں میں اونچے گھرانے کی عورتوں کو مجال نہیں ہوتی تھی کہ وہ پالکی کے بغیر گھر سے نکلیں۔ انہیں ہر گز کھلے بندوں مردوں کے ساتھ ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ شادی شدہ عورتوں کو اپنے شوہروں کے سوا کسی دوسرے مرد کو دیکھنے کا حق نہیں تھا، چاہے وہ ان کا باپ بھائی کیوں نا ہو۔ قدیم ایرانی پینٹنگز جو ہم تک پہنچی ہیں ان میں عورت کی کوئی تصویر نظر نہیں آتی۔ آشو زرتشت اپنی نصیحتوں اور مشوروں کے ذریعے حجاب کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایرانی خواتین حجاب کو ظاہری طور پر ایک قومی ثقافت کی حیثیت سے اپنائے ہوئے ہیں، جو ان کی روح کے اندر تک قدم جمائے ہوئے ہے۔ اس ذریعے سے حجاب کے قوانین کو آئندہ نسلوں تک محفوظ کیا جا سکتا ہے جو معاشرے کو اخلاقی برائیوں سے بچا سکتا ہے۔[3]

مذہب یہودیت میں حجاب

عہد قدیم یا عہد عتیق کی آیات کی نصوص میں بہت سارے مقامات پر کہیں ضمناً اور کہیں صراحت کے ساتھ پردے اور حجاب کے وجوب کا حکم موجود ہے اور یہ آیات پردے کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہیں، عہد عتیق کے اندر لفظِ "نقاب" بڑی کثرت سے دیکھا جا سکتا ہے عہد عتیق کی بعض آیات میں تو لفظِ "چادر" تک بھی ذکر ہوا ہے۔ یہودیوں کے ہاں کنیسہ میں عورتوں اور مردوں کی جگہ کا الگ الگ ہونا، اسی طرح سر عام مرد و عورت کا گفتگو کرنا، حتی کے میاں بیوی کی آپس میں بات چیت کی ممانعت، عورت کو مدرسے نہ جانے دینا، اسی طرح عورت کو فقط پردے کے پیچھے سے گفتگو اور تقریر کی اجازت دینا، یہ تمام موارد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہودیت میں در حقیقت حجاب اور پردہ واجب ہے، بلکہ ان احکام کے بیان سے عہد عتیق کی اس سلسلے میں سخت نگاہ کا پتہ چلتا

ہے اور دوسری طرف حجاب کے بارے میں یہودیوں میں پائی جانے والی شدت اور سختی کا بھی علم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے نزدیک پردے اور حجاب کا مسئلہ کتنا سنگین اور حساس تھا اور اس پر کتنی سختی ہوتی تھی۔ عبرانی زبان میں لفظ حجاب "ہتصاعیف" کا مترادف ہے اور اصطلاحاً ایسی چادر کو کہتے ہیں جو بدن اور بالخصوص سر کو چھپاتی ہو۔ تلمود یہودی خواتین پر حجاب فرض کرتا ہے جس کے بغیر انہیں باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہودی علماء کے نزدیک عورت کا سر ننگا کرنا ایسا ہی ہے گویا اس نے اپنے جنسی اعضاء نمایاں کیے ہوں۔ یہودی شریعت میں نمازیں اور دعائیں کسی ننگے سر عورت کی موجودگی میں قبول نہیں ہوتیں کیوں کہ اسے عریانیت سمجھا جاتا تھا اور ننگے سر کے جرم کے پاداش میں جرمانہ تک کیا جاتا تھا۔ اس کے برعکس فاحشاؤں اور طوائفوں کو یہودی معاشرے میں سر ڈھانپنے کی اجازت نہیں تھی تاکہ شریف اور پیشہ ور عورتوں میں فرق کیا جاسکے۔

"کتاب مقدس عبرانی یعنی عہد عتیق کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں پر یہ سختی اور پابندی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوئی، حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ کو گھر کے ایک صندوق (یا کمرے میں) اس طرح بند کردیا تاکہ وہ نامحرموں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے۔ عہد سلیمانؑ میں بھی عورتیں بدن کے لباس کے علاوہ، اپنے چہروں پر نقاب ڈالتی تھیں اور یہی چیز حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں بھی رائج تھی۔

یہودی قوم میں اگر کوئی عورت قانون پردہ کی خلاف ورزی کرتی مثلاً وہ برہنہ سر لوگوں کے درمیان آجاتی یا شارع عام پر سود کاتتی یا ہر قسم کے افراد سے اپنا دکھڑا کہتی یا اتنی بلند آواز میں گفتگو کرتی کہ پڑوسی اس کی آواز سن لیں تو اس کے شوہر کو یہ حق حاصل تھا کہ اس کا مہر ادا کیے بغیر اس کو طلاق دے دے"۔[4]

مذہب عیسائیت میں حجاب

کتاب (توریت) اور ان کی شریعت کو عہد قدیم یا عتیق کا نام دیا ہے، تاکہ وہ عہد جدید جو کہ حقیقت میں وہی جدید آئین اور شریعت جناب عیسیٰؑ ہے، کی توجیہ اور تاویل کرسکیں، عہد عتیق کے اندر جو حقیقتِ حجاب بیان ہوئی ہے، مسیحیت بھی اس کی تائید کرتی ہے، لیکن کتاب مقدس کے جو تراجم مسیحیوں نے انجام دیئے یا ان تک پہنچے ہیں، ان میں لفظِ حجاب کا مترادف لفظ "Peplum" بھی ذکر ہوا ہے، اس لفظ کا لغت میں معنی یہ ہوا کہ حجاب ایسی "چادر اور رداء" کو کہتے ہیں کہ جس کو عورت اپنے سر پر اس طرح رکھتی ہے کہ جیسے یونانی عورتیں رکھتی تھیں، اس چادر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بدن کے ساتھ چہرے کو بھی چھپاتی ہے اور اس میں سے فقط آنکھیں نظر آتی ہیں۔ جیساکہ ہم سب جانتے ہیں کہ کچھ عشرے پہلے تک مسیحی خواتین اپنے سر کے بالوں کو ڈھانپتی تھیں، مصوّری اور آرٹ کے وہ تمام نمونے اور حضرت مریم علیہا السلام کے مجسمے یا دوسرے مسیحی قدیسے جو موجود ہیں، وہ سب کے سب حجاب اور پردے کے ساتھ تھے اور ان کو بناتے وقت پردے والی چیز کو مد نظر رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ مسیحی راہبہ (عیسائی تارک الدنیا عورت)

بھی اپنے سر کے بالوں کو چھپاتی اور ڈھانپتی تھی۔ یہ ایک تاریخی گواہی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مؤمن مسیحیوں کا اصلی عقیدہ پردے کے بارے میں یہی تھا جو اُوپر بیان ہو چکا ہے، لہٰذا اسی ایمان اور عقیدے کی وجہ سے کلیسا کی فقہی اور کلامی مرجعیت نے شریعت یہود کے حجاب کے بارے میں بیان کئے گئے احکام میں کوئی تبدیلی نہیں کی، بلکہ اس سے زیادہ سخت قوانین کو بیان کیا ہے۔

تلمود میں ہم پڑھتے ہیں کہ: "خداوند متعال نے عورت کی تخلیق کے وقت اس نکتے کی جانب توجہ رکھی کہ عورت کو مرد (حضرت آدمؑ) کے بدن کے کون سے حصے سے خلق کرے، خداوند فرماتا ہے کہ: میں عورت کو آدم کے سر والے حصے سے پیدا نہیں کروں گا تاکہ وہ سبک اور بے ارزش نہ ہو جائے، بلکہ میں عورت کو آدم کے اس حصے (پسلیوں) سے خلق کروں گا کہ جو ہمیشہ پردے میں اور چھپا ہوا ہوتا ہے تاکہ عورت ایک باپردہ، باحجاب اور پاکدامن مخلوق کے طور پر وجود میں آئے"۔ [5]

ایک روایت کے مطابق حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں: ”عورتوں پر نگاہ کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ دل میں شہوت کی گرہیں باندھتا ہے اور فتنے و فساد کے لئے یہ ایک نگاہ ہی کافی ہے۔“ حضرت عیسیٰؑ کے اصحاب، باپ اور بزرگ دینی رہنماؤں کلیسا اور دین مسیحیت کی طرف سے جو دستورات لازم اجراء قرار پائے ہیں ان کے مطابق خواتین کو سختی سے مکمل حجاب کی تلقین اور ظاہری زینت سے منع کیا گیا ہے۔ [6]

اسلامی تعلیمات کے تناظر میں حجاب

اسلامی قانون میں حجاب

اسلام، جو آخری الٰہی مذہب ہے اور درحقیقت سب سے کامل دین ہے اور خداوند متعال نے ہمیشہ اور تمام انسانیت کے لئے نازل کیا ہے، لباس کو ایک "الٰہی تحفہ" کے طور پر متعارف کرایا ہے اور انسانی معاشرے پر لازم ہے کہ وہ خواتین کو مناسب ترمیم اور ترتیب سے حجاب کا حکم دے اور خواتین کے لباس کے ارد گرد موجود انحرافات یا زیادتیوں سے اجتناب کروائے اور قانون کی وضاحت کرتے ہوئے، انسانی جبلت کے مطابق اس حد پر غور کرے۔ اسلامی حجاب میں، کوئی مضر غفلت اور غیر ضروری سختیاں نہیں ہیں۔ اسلامی حجاب، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گھر میں کسی عورت کو قید میں رکھنا یا نقاب پہننا اور معاشرتی معاملات میں حصہ لینے سے پرہیز کرنا؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت غیر مردوں کے سامنے اپنے بالوں اور جسم کو ڈھانپتی ہے۔ سخت جنسی جبلت کے مطابق، اسلام کے قواعد و ضوابط وہ اقدامات ہیں جو خدا نے اس جبلت کے مناسب اطمینان کے ساتھ ہی اس میں ترمیم اور قابو پانے کے لئے بیان کئے ہے۔

حجاب کی شرعی حیثیت

شریعت خالق کا وہ قانون ہے جو انسانی افعال کے متعلق بحیثیت حاکم اس خالق کی پسند کا ترجمان ہوتا ہے اور فطرت وہ قانون ہے جو بحیثیتِ خالق خود اس کے افعال میں اس کے ارادے کا مظہر ہے۔ صاف کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک بااختیار اور دانا حاکم کی پسند خود اس کے ارادوں سے متضاد نہیں ہوسکتی اس لئے شریعتِ الٰہیہ کے اصول کو فطرت کے تین بنیادی قوانین سے جدا نہیں ہونا چاہیئے۔ عورت کے لئے پردے کا شرعی حکم اسلامی شریعت کا طرہ امتیاز اور قابل فخر دینی روایت ہے۔ اسلام نے عورت کو پردے کا حکم دے کر عزت و تکریم کے اعلیٰ ترین مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ مذاہبِ دیگر کی خواتین کسی قسم کا بھی لباس پہنیں اور سر عام اپنے جسم اور حسن کی نمود و نمائش کریں مگر ایک مسلم خاتون کو اس کی اجازت نہیں کیونکہ اس نے کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد اپنے رب کے ہر حکم کو ماننے کا وعدہ کیا ہوا ہے اور حجاب حکمِ خدا ہے جس کے لئے خداوند کریم نے سورہ نور اور سورہ احزاب کے ذریعے مسلمان عورتوں کو حجاب کی پابندی و فرضیت کا حکم دیا ہے۔ حجابِ شرعی سے یہ مراد ہے کہ ان تمام اعضاء کو ڈھانپنا ہے جنہیں نامحرموں سے چھپانا عورت پر فرض ہے۔ حجاب کا شرعی حکم معاشرہ کو متوازن کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسلئے دختران اسلام کو پردے کے سلسلے میں معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے فخریہ انداز میں اس حکم کو عام کرنا چاہیئے تاکہ پوری دنیا کی عورتیں اس کی برکات سے مستفید ہوسکیں۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (26:7)

ترجمہ: "اے نبی آدم ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔ یہ خدا کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔"

اس آیت کی رو سے جسم ڈھانکنے اور ہر مرد اور عورت کی لئے فرض کر دیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی سخت احکام دیئے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے برہنہ نہ ہو۔ شریعت محمدیہ ﷺ ہر لحاظ سے کامل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کو جن اعلیٰ اخلاق کے ساتھ مبعوث کیا گیا ان میں سے ایک نہایت بلند مرتبہ و گراں قدر خلق حیا ہے جسے آپؐ نے ایمان کا جز اور اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ قرار دیا۔ کوئی عقل مند اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ عورت کا باوقار اور ایسے عادات واطوار کے ساتھ رہنا جو اسے مشکوک مقامات اور فتنوں سے دور رکھیں اس حیا کا حصہ ہیں جس کا عورت کو اسلامی شریعت اور اسلامی معاشرے میں حکم دیا جاتا ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش بھی نہیں کہ عورت کا اپنے چہرے اور جسم کے دیگر اعضاء کو ڈھانپ کر باحجاب رہنا ہی اس کے لئے سب سے بڑا وقار ہے جس سے وہ اپنے آپ کو آراستہ کرسکتی ہے۔

اصول و قواعدِ حجاب در اسلامی نقطہ نگاہ

عورت کی زینت، عفت اور حفاظت حجاب میں ہی ہے۔ حجاب کا مقصد فقط پردہ کرنا نہیں ہے اگر حجاب سے مراد فقط پردہ کرنا ہوتا تو خداوند متعال قرآن میں مرد کو حجاب کا حکم نہیں دیتا۔ حجاب ان قوائد اصول و ضوابط کا نام ہے جن کے تحت انسان کی انسانیت اور شخصیت کا معیار باقی ہے حجاب کے ذریعہ سے انسان معاشرتی، سماجی اور خاندانی معیار کو باقی رکھ سکتا ہے اور معاشرے میں اخلاقیات اور انسانی اقدار باقی رہ سکتے ہیں کیونکہ حجاب کی رعایت کرنے سے فساد برپا نہیں ہوگا اور خانوادہ کا معیار باقی رہے گا۔

وہ اصول و قواعد یہ ہیں جن کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے

۱۔پردہ: یعنی لباس کا حجاب، شریعت میں عورت اور مرد دونوں کو جذاب (پُر کشش) اور محرک (تحریک پیدا کرنے والا) لباس پہننے کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔

۲۔رفتار: عورت کو کبھی بھی اس انداز میں چلنے کی اجازت نہیں ہے کہ جس سے آواز پیدا ہو اور نتیجتاً دوسرے اس کی طرف متوجہ ہوں۔اور نا ہی شہوت کی نگاہ سے نا محرم کو دیکھنا اور سننے کی اجازت ہے۔

حدیث نبوی ہے کہ: "اپنی آنکھوں کو نا محرم سے محفوظ رکھو تا کہ تم عجائب کو دیکھ سکو۔"[7]

یعنی نا محرم پر نگاہ ڈالنے سے, انسان کے اندر معنویت نہیں رہتی کیونکہ وہ نفس کا غلام بن جاتا ہے۔

۳۔گفتار: عورت کو چاہیے کہ نا محرم سے بات کرتے وقت ایسی گفتگو نا کرے کہ کسی کے دل طمع (مائل ہونا) پیدا ہو جائے اور برائی کی طرف گامزن ہو جانے پر فساد بڑھ جائے۔

عورت لفظ کا مطلب ہی, " چھپی ہوئی چیز " ہے، اس لیے عورت کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ زیادہ تر گھر میں رہے اور بغیر کسی مقصد کے گھر کو نا چھوڑے یعنی، گھر کو بنانے اور سنوارنے والی ہستی کا نام عورت ہے۔ اس بات سے دشمن حجاب یہ پہلو نکالتے ہیں کہ عورت کے لئے حجاب قید و سزا ہے جبکہ جواب یہاں ہی موجود ہے کہ بنا ضرورت نکلنے کی ممانعت ہے نا کہ وقت ضرورت بھی۔ خود ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میدان جنگ میں صحابیات رضی اللہ عنہم کو زخمیوں کی مرہم پٹی، ان کی تیمارداری اور پانی پلانے کا کام سونپتے تھے۔

آیات حجاب کا نزول

پردے کا حُکم کب نازِل ہوا؟اس کے مخدوم محمد ہاشم اپنی کتاب سیرت سیدالانبیا میں فرماتے ہیں: اِسی سال (یعنی 4ہجری) ذی قعدہ کے مہینہ میں اُمُّ المومنین حضرت زینب بنت جحش سلام اللہ علیہا کی کاشانۂ نبوّت میں رُخصتی کے دن مسلمان عورتوں کے لئے پردہ کا حُکم نازِل ہوا۔ بعض عُلَمائے کِرام کا کہنا ہے کہ یہ حُکم 2ہجری کو نازِل ہوا، (مگر) قولِ اوّل (یعنی پہلا قول ہی) راجح ہے۔ اسی طرح امام ابن حَجَر عَسقَلانی بھی فتح الباری میں اس حُکم کے

نازِل ہونے کے مُتَعَلّق چند اَقوال ذکر کرکے ایک قول کو ترجیح دیتے ہوئے اِرشَاد فرماتے ہیں: ان تمام اَقوال میں سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ پردے کا حُکم 4 ہجری میں نازِل ہوا۔(فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوۃ انمار، ۷/۷ ۵۳، تحت الحدیث: ۴۱۴۰)

اسلام میں شرعی اُمور اور احکام دو قسموں، امضائی (تائیدی) اور تاسیسی (ابتدائی یا بنیادی) "یعنی جنکی بنیاد اسلام میں پڑی اور اس سے پہلے موجود نہیں تھے" میں تقسیم ہوتے ہیں۔ علم اصول فقہ کی ان دو اصطلاحوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ تاسیسی، یعنی وہ حکم یا امر کہ جس کی اساس اور بنیاد پہلی دفعہ اسلام میں رکھی گئی ہو، جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر؛ لیکن امضائی، وہ اُمور اور احکام کہ جو گذشتہ شریعتوں میں بھی پائے جاتے تھے، لیکن اسلام نے ان پر مہر تائید ثبت کی ہو، جیسے حجاب اور پردے کا حکم۔ سورہ نور آیت ۳۱ کے بارے میں کتاب کافی میں امام باقر علیہ السلام سے یہ شانِ نزول نقل ہوئی ہے۔

"انصار میں سے ایک نوجوان کا راہ چلتے ہوئے ایک عورت سے سامنا ہوا، اس زمانے میں عورتیں اپنی چادر کانوں کے پیچھے رکھتی تھیں (ظاہر سی بات ہے کہ اس طرح گردن اور سینے کی کچھ مقدار نمایاں ہو جاتی تھی) اس نوجوان کی نظر اس عورت کے چہرے پر پڑی تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا، وہ عورت پاس سے گزر گئی یہ جوان ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا، قدم بھی اٹھا رہا تھا اور اس کی طرف دیکھے بھی جا رہا تھا، یہاں تک کہ ایک تنگ گلی میں داخل ہو گیا، مڑ مڑ کر عورت کی طرف بھی دیکھے جاتا تھا، اچانک اس کا چہرہ ایک دیوار پر لگا کہ جس میں پتھر کی نوک یا شیشے کا ٹکڑا باہر نکلا ہوا تھا، چہرہ اس پر جا لگا، عورت دور چلی گئی تو نوجوان کو ہوش آیا، اس نے دیکھا کہ خون اس کے چہرے سے جاری ہے اور اس کے لباس اور سینے پر گر رہا ہے (اسے بہت افسوس ہوا) وہ اپنے آپ سے کہنے لگا بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتا ہوں اور یہ ماجرا ان سے کہتا ہوں، جس وقت رسول خدا ﷺ کی نگاہ اس پر پڑی تو فرمایا: تجھے کیا ہوا؟ اس جوان نے آپؐ سے وہ تمام واقعہ بیان کیا، اس وقت وحی خدا کا قاصد جبرئیل نازل ہوا "اور یہ آیت پہنچائی۔

اسی طرح سورہ احزاب کی آیت ۵۹ کا تفسیر علی بن ابراہیم میں شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ اس زمانے میں مسلمان عورتیں مسجد میں جا کر رسول پاکؐ کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھیں، رات کے وقت جب وہ مغرب اور عشاء کی نماز کے لئے جاتیں تو کچھ بے ہودہ اور اوباش نوجوان ان کے راستے میں بیٹھ جاتے اور اخلاق سے گری ہوئی باتیں کرکے انہیں تکلیف پہنچاتے اور ان کا راستہ روکتے۔ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اچھی طرح سے پردہ کریں تاکہ واضح ہوسکے کہ یہ مسلمان عورتیں ہیں اور کوئی شخص مزاحمت کے لئے بہانہ نہ بنا سکیں۔[8]

حکم حجاب آیاتِ قرآنی کے تناظر میں

اگر ہم قرآن کی لسانیات کا حوالہ دیتے ہیں تو، قرآن نے سات بار حجاب کا تذکرہ کیا ہے، جس کا عام طور پر معنی "علیحدگی" ہے نہ کہ اسلامی حجاب کے مقبول معنی میں۔ البتہ قرآن کریم کی ۲۴ سورت نور اور ۳۳ سورت احزاب میں تفصیلاً اور واضح الفاظ میں کیا ہے۔

آیات سورہ نور

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (30:24)

ترجمہ: "مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان سے خبر دار ہے۔"

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (31:34)

ترجمہ: "اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو ان میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹیوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجیوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں (کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔ اور مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ".

آیات سورہ احزاب

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (59:33)

ترجمہ: "اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (مونہوں) پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یہ امر ان کے لئے موجب شناخت (وامتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔"

ان آیات کے مطابق ہمیں مندرجہ ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں۔

1۔ خداوند کریم اپنے کلام پاک میں خواتین کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور پاکدامنی کو اپنا شیوہ قرار دیں ساتھ ساتھ قرآن کریم نے عورتوں کے سامنے مردوں کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے اور نامحرموں سے بدن کو چھپانے کی بھی تاکید کی ہے۔

2۔ جلباب کشادہ چادر کو کہتے ہیں جو دوپٹے اور مقنعے سے مختلف چیز ہے۔ جلباب بڑی اوڑھنیوں کی طرح سر اور پورے بدن کو چھپا لیتی ہے اور خداوند متعال نے سورہ احزاب میں جلباب کا ذکر کر کے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ عورتیں اپنا سر و گردن اور بدن چھپا کے رکھیں۔

3۔ خُمُر، خِمار کی جمع ہے، اور اس کے معنی دوپٹہ یا اسکارف ہیں۔ خداوند کریم نے سورہ نور کی اس آیت میں مومن خواتین سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ خِمار کے ذریعے اپنے سینے اور گردن کا پردہ کریں۔ طبرسی نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ: مدینہ کی عورتیں اپنے دوپٹے کو اپنے سر کی پچھلی طرف ڈال کے رکھتی تھیں اور ان کا سینہ، گردن اور کاندھے نہیں چھپے ہوتے تھے۔ اس آیت کی بنیاد پر ان پر فرض ہوگیا کہ وہ اپنے دوپٹے کو اپنے سینے پر ڈال کر رکھیں تاکہ ان حصوں کا بھی پردہ ہو جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس نے بھی کہا ہے کہ: عورت کو چاہیئے کہ وہ اپنے بال، سینہ، گردن کے اطراف اور گردن کا نچلہ حصہ ڈھانپ کر رکھیں۔

4۔ قرآن کریم پردے کے ضروری ہونے کے حوالے سے کہتا ہے کہ "یہ طریقہ ان کی شناخت اور خاندانی شرافت سے قریب تر ہے اور اس طرح وہ اوباش لوگوں کی جانب سے اذیت سے محفوظ رہیں گی۔"

5۔ پردے کے متعلق سورہ نور کی اکتیسویں آیت پر جو پردے کے حدود بتاتی ہے کہیں بھی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ چھپانے کو واجب نہیں بتاتی ہے اس آیت کو بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے۔

6۔ ان آیات کے ذریعے محرم و نامحرم کے فرق کو واضح کیا اور نام لے کر بتا دیا کہ کن کے سامنے زینت جائز ہے کن سے پردہ کرنا ہے۔ بیوی و شوہر، باپ، سسر، بیٹا، شوہر کا بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، اپنی لونڈی و غلام، مخنث اور کمسن بچے محرم ہیں۔

حکم حجاب سنت و احادیث کے تناظر میں

حجاب یا دوسرے الفاظ میں عظمت کا احاطہ قرآن میں ایک موضوع ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ خواتین کو نامحرموں کے

سامنے پردہ کرنے ان سے دور رہنے اور خود نمائی سے پرہیز کی تاکید فرماتے ہیں جو اُن کے قول و عمل سے بھی ظاہر ہے۔

1۔ایک مرتبہ حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماء ایسا لباس پہن کر رسول خداﷺ کے گھر آئیں کہ جس سے ان کا جسم جھلکتا تھا رسول خداﷺ نے اپنا چہرہ مبارک ان کی جانب سے پھر لیا اور فرمایا " اے اسماء عورت جوان ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی دے مگر یہ: اور یہ کہہ کر آپﷺ نے اپنے چہرے اور کلائی سے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ "۔[9]

2۔ پیغمبر نور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا: اے خدایا، ان خواتین کو جو اپنے آپ کو ڈھانپتی ہیں آپ ان پر اپنی رحمت اور مغفرت کے فرمائیں۔

3۔ حضور نبی اکرم (ص): جب ڈھانپنے والا سر ڈھک جاتا ہے تو اس کی قیمت دنیا سے زیادہ ہوتی ہے اور اس میں کیا ہوتا ہے۔ (نور الشافعی فی الفقہ الشافعی)

4۔رسول خدا (ص): میری امت کی عورتوں کی تباہی دو چیزوں میں ہے: "بے پردگی اور پتلے کپڑے" امام علی (ع): موٹے کپڑے پہننا آپ پر ہے۔ کیونکہ جس کے کپڑے پتلے ہیں، اس کا مذہب کمزور ہے۔[10]

تجزیہ

اس واقعہ اور حدیث سے یہ بات صاف واضح ہے کہ عورت پر باریک لباس ممنوع ہے اور اللہ و رسول کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے اور عورت اپنے پورے جسم کو پردے میں ڈھانپے یعنی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا کچھ دکھائی نا دے اور جو عورت ایسا عمل کرتی ہے اس کے حق میں اللہ کے رسولﷺ دعا فرماتے ہیں اور ایسی عورت کو انمول قرار دیا ہے۔ باریک لباس کی مماثلت ایمان کی کمزوری سے دی گئی ہے۔

5۔امام علی (ع): خدا کی راہ میں شہید ہونے والے ایک شہید کا صلہ کسی پاکیزہ آدمی کے ثواب سے زیادہ نہیں ہے جو گناہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اپنے آپ کو ناپاک نہیں کرتا ہے۔ایک پاکیزہ آدمی خدا کا فرشتہ بننے والا ہے۔[11]

تجزیہ

اس قول معصوم سے صاف ظاہر ہے کہ جو بے حیائی کے گناہ سے دور رہا اس کا درجہ شہید کا ہے اور آخرت میں اس کے درجات کی مثل فرشوں سے دی ہے۔

6۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): جہنم میں داخل ہونے والے لوگوں کا ایک گروہ ایسی نقاب پوش خواتین ہیں جو مردوں کو بہکانے اور دھوکہ دینے کے لئے خود کو زیب و زینت سے آراستہ کرتی ہیں۔[12]

تجزیہ

جب رسول خداﷺ واقعہ معراج پر تشریف لے گئے تو انہوں نے وہاں دیکھے اکہ سب سے زیادہ سزائیں

بے حجابی اور بے حیائی پر دی جارہی تھیں۔ اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ نامحرموں کے لئے زیب و زینت کرنے والی خواتین کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کچھ نہیں۔

رواج حجاب کے اسباب مذاہبِ دیگر و اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

حکم حجاب کی وجہ کیا ہے؟آخر کس طرح بہت سی اقوام و تہذیبات میں حجاب لازم قرار پایا؟مذہب اسلام کی تعلیمات و احکامات ایسے ہیں جو کسی نہ کسی حکمت کی بنیاد پر صادر ہوئے ہیں آخر حجاب کے رواج کا فلسفہ و حکمت کیا ہے؟
مخالفین حجاب کی یہ اولین کوشش رہی ہے کہ وہ حجاب کو ہمیشہ ظالمانہ اقدامات میں قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام نے تو عورت کو پوری آزادی بخشی ہے حجاب فقط ایک قدیم و زمانہ جاہلیت کی رسم ہے جس کو تاریک خیال و تنگ نظر مسلمانوں نے قرونِ اولیٰ کے بہت بعد میں اختیار کیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں کوئی بھی حکم حجاب کے مطابق نہیں صادر کیا گیا ان میں جو تعلیمات اور احکامات ہیں وہ تو فقط شرم و حیا کی اخلاقی تعلیمات ہیں ان میں کوئی ایسا ضابطہ یا قانون بیان نہیں کیا گیا جو عورت کی نقل و حرکت اور آزادی پر کوئی پابندی لگائے۔ حجاب کے وجود پذیر ہونے کے اسباب میں مختلف نظریات بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں زیادہ تر یہ کوشش کی گئی ہے کہ پردے کو ایک جاہلانہ اور ظالمانہ اقدام ظاہر کیا جائے۔ ان نظریات میں مخالفین اسلامی اور غیر اسلامی حجاب میں فرق نہیں کرتے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کا حکم حجاب بھی ان ہی ظالمانہ اقدامات کی پیداوار ہے۔ اس سلسلے میں جو نظریات ہم تک پہنچے وہ اخلاقی، اقتصادی، اجتماعی، نفسیاتی اور فلسفیانہ پہلوؤں کے حامل ہیں۔ جبکہ یہ کسی بھی شکل میں خطہ ارض حجاب کے رواج پزیر ہونے میں موثر نہیں رہے ہیں۔ اور انہیں بلاوجہ حجاب کے ظہور کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ بفرضِ محال اگر یہ بعض غیر اسلامی مذاہب میں موثر بھی رہے ہیں تو ان سے اس فلسفہ کا کوئی تعلق نہیں جو اسلام میں پردے کی تشریع کا سبب بنے۔

1۔ ریاضت و رہبانیت (فلسفیانہ سبب)

مذاہب دیگر کے مطابق

ریاضت اور رہبانیت کی پردے سے وابستگی کا سبب یہ ہے کہ عورت مرد کی مسرت و کامرانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر رہیں تو بہر طور ان کی توجہ حصول لذت اور شادکامی کی طرف جائے گی۔ رہبانیت اور ترک ازدواج سے وابستہ افراد ماحول کو پوری طرح زہد و ریاضت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مرد و زن کے درمیان حجاب کے قائل ہوئے ہیں اور انہوں نے پردے کو رواج دیا ہے۔

(تجزیہ) اسلام کے مطابق

خوش قسمتی سے اسلام کی سوچ اور کائنات کے بارے میں اس کا نقطہ نظر واضح ہے۔ انسان، کائنات اور لذت جوئی کے بارے میں اس کا رویہ بڑا صاف ہے۔ اسلام نے عورت کی ستر پوشی کی حدود کا تعین کیا ہے اور کسی جگہ اس کی وجہ اس خیال کو نہیں بتلایا گیا اور نہ کوئی ایسا فلسفہ اسلام کی روح اور اس کے قوانین سے مطابقت رکھتا ہے۔ اصولی طور پر اسلام نے ریاضت اور رہبانیت سے متعلق افکار سے انکار کیا ہے۔

2۔ عدم تحفظ و عدم عدالت (اجتماعی سبب)

مذاہب دیگر کے مطابق

حجاب کے رائج ہونے کا ایک اور سبب عدم تحفظ بیان کیا گیا ہے۔ زمانہ قدیم میں ناانصافی اور عدم تحفظ کے واقعات کی بھر مار تھی۔ لوگوں کی جان، مال اور ناموس طاقتوروں سے محفوظ نہیں تھی۔ خوبصورت عورتوں کے خاوند اپنی عورتوں کو بڑے لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنے پر مجبور تھے اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اپنی عورتوں کو کھو دیتے تھے۔ ساسانی دور میں ایران اس قسم کے حادثات سے دوچار رہا ہے۔ شہزادے، زرتشی علماء اور امراء جب بھی کسی گھر میں خوبصورت عورت کا نشان پاتے تو اس گھر میں گھس کر عورت کو اس کے شوہر سے چھین لیتے تھے۔ اس زمانہ میں معاملہ پردے کا نہیں بلکہ عورت کو مخفی رکھنے کا تھا تاکہ کسی کو اس کا پتا نہ چلے۔[13]

(تجزیہ) اسلام کے مطابق

یقیناً اسلام میں پردے کا سبب عدم تحفظ نہیں ہے۔ ہم اسے پردے کے ظہور کا بنیادی سبب قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اسلامی آثار میں نہ تو اسے پردے کا سبب بتایا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے۔ جاہل عربوں میں پردے کا رواج نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہیں اپنی خاص قبائلی اور بدوی زندگی کے سبب انفرادی تحفظ حاصل تھا۔

3۔ عورت کا استحصال (اقتصادی سبب)

مذاہب دیگر کے مطابق

بعض افراد نے عورت کے پردے کو اقتصادی پہلو سے نسبت دے کر یہ کہا ہے کہ پردہ مرد کے عہد ملکیت کی یادگار ہے۔ مردوں نے عورتوں سے اقتصادی فائدہ حاصل کرنے کے لئے ان کا کنیزوں کی طرح استحصال کیا۔ انہوں نے عورتوں کو اس بات پر مطمئن کرنے کے لئے کہ ان کا گھر سے نکلنا معیوب ہے پردے کا تصور انہیں ذہن نشین کرایا اور انہیں گوشہ نشین بنا دیا۔ عورتوں کو مردوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، اجتماعات میں شرکت کرنے اور

سرکاری عہدے تک پہنچنے کا حق نہیں تھا۔ اگر عورت کی آواز کسی نامحرم تک پہنچ جاتی تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ اس زمانے کے مرد عورت کو گھرداری کی ایک مشین سمجھتے تھے اور اگر کبھی وہ اتفاقاً گھر سے باہر جانا بھی چاہتی تو اسے سر سے پاؤں تک سیاہ چادر میں لپیٹ کر روانہ کیا جاتا تھا۔[14]

(تجزیہ) اسلام کے مطابق

سب جانتے ہیں کہ مسلم گھرانوں میں اسلامی احکام کے تحت مرد عورت کا زیادہ خیال رکھتا ہے اور اس کے لئے تمام آسائشیں فراہم کرتا ہے۔ عورت ان گھروں میں ظلم و زیادتی اور تحقیر کا شکار رہی ہے جہاں روح اسلام کا فقدان تھا یا اس سے وابستگی کمزور تھی۔ اسلام نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ مرد عورت سے اقتصادی فوائد حاصل کرے بلکہ اس نے سختی سے اس کی مخالفت کی ہے۔

اسلام میں پردہ اگر عورت کے اقتصادی استحصال سے عبارت ہوتا تو وہ عورت کو مرد کی بیگار کے لئے مقرر کرتا۔ یہ بات قرین عقل نہیں ہے کہ اسلام ایک طرف تو عورت کی اقتصادی آزادی کا قائل ہو اور دوسری طرف اس کے استحصال کے لئے پردے کا حکم دے۔ پس اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔

4۔ حسادت مرد (اخلاقی سبب)

مذاہب دیگر کے مطابق

اسباب پردہ کے ایک اور پہلو کا ذکر کیا گیا ہے جو اخلاقیات سے متعلق ہے۔ یہاں بھی سابقہ نظریے کی طرح پردے کا سبب مرد کا تسلط اور عورت کی مجبوری بتایا گیا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اقتصادیات کے بجائے اخلاقیات کی بات کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ مرد کا عورت کو یوں اسیر بنائے رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں دوسرے مردوں کے لئے حسد کا عنصر پایا جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا مرد اس کے گھر میں رہنے والی عورت پر نظر ڈالے یا اس سے ہمکلام ہو۔

مرد اخلاق جنسی امور میں اپنی خود خواہی پر غلبہ حاصل نہ کر سکا بلکہ اس کے برعکس وہ خود پرستی کا شکار ہوا اور اس نے اپنی پستی کو مرد کی جانب سے غیرت اور عورت کی جانب سے پردے کا نام دیکر اسے اخلاق حسنہ کے عنوان سے قبول کیا ہے۔

(تجزیہ) اسلام کے مطابق

غیرت قوم کی طہارت کے باب میں انسانی شرافت کا نام ہے۔ ایک غیرت مند انسان جس طرح اپنی ناموس کو آلودہ دیکھنا گوارا نہیں کرتا اسی طرح قوم کی ناموس کو آلودہ دیکھنا پسند نہیں کرتا کیونکہ غیرت حسد سے مختلف چیز

ہے۔ حسد ذاتی اور باطنی شے ہے جبکہ غیرت انسانی احساس سے جنم لیتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیرت خود پرستی سے وجود میں نہیں آتی بلکہ یہ وہ احساس ہے جسے فطرت نے گھریلو زندگی کے استحکام کے لئے ودیعت کیا ہے اور یہ زندگی مصنوعی نہیں بلکہ فطری زندگی سے عبارت ہے۔اس بات کا کہ پردے سے اسلام کا مقصد مرد کے احساس غیرت کا احترام ہے یا نہیں ؟ جواب یہ ہے کہ بے شک اسلام کے پیش نظر احساس غیرت کا وہ فلسفہ ہے جس میں نسل کی پاکیزگی کا تحفظ ہے لیکن اسلام میں صرف یہی ایک بات پردے کا سبب نہیں بنی ہے۔

5-ایامِ مخصوصہ ترکِ معاشرت (نفسیاتی سبب)

مذاہب دیگر کے مطابق

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کا پردہ ان کی گوشہ نشینی نفسیاتی معاملہ ہے عورت شروع سے اپنے اندر کمتری کا احساس پاتی ہے کیونکہ ماہانہ عادت کو نقص سمجھنے کی بات نوع بشر میں پہلے سے موجود رہی ہے۔ اسی لئے عورتیں اپنے ان مخصوص ایام میں پلید شے کی طرح کسی کونے میں محبوس رہی ہیں اور ان سے پرہیز کیا جاتا رہا ہے۔ یہودی اپنی عورتوں کو ایامِ مخصوصہِ میں گھر سے باہر نکال دیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے تھے۔

(تجزیہ) اسلام کے مطابق

عورت کے احساس نقص اور اس کی پستی کے موضوع پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ یہ باتیں درست ہوں یا نادرست، عورت اور پردے کے بارے میں اسلامی فلسفہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے نہ حیض کو عورت کی پستی کا سبب جانا ہے اور نہ ہی پردہ کو اس پستی کے لئے عنوان قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا گیا لیکن جو آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی وہ یہ نہیں تھی کہ حیض پلیدی ہے اور حائض پلید ہے لہٰذا اس سے معاشرت نہ کی جائے بلکہ یہ جواب آیا کہ حیض ایک طرح کی بیماری ہے اور اس بیماری کے دوران اس سے مباشرت نہ کی جائے۔ قرآن نے اس کیفیت کو دوسری بیماریوں کی طرح ایک بیماری کہہ کر پلیدی کا تصور باطل کر دیا ہے۔

"اے رسول ﷺ! آپ سے حیض کے بارے میں جو سوال کیا جاتا ہے، اس کے جواب میں کہیئے کہ یہ ایک بیماری ہے پس اس بیماری کے دوران وہ عورتوں سے قربت اختیار نہ کریں۔" (222:2)

نتائج

حجاب کا حکم صرف مذہب اسلام میں ہی نہیں ہے بلکہ تمام ہی مذاہب میں اس کو قدر عزت اور احترام کی نگاہ سے

دیکھا گیا ہے اور خواتین کی عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت بھی ہے آج کی موجودہ دنیا میں حجاب چونکہ مسلمان عورتیں کرتی ہیں اس لیے اس کو ان کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور یہ سب مغرب کی پیروی میں کیا گیا، مغرب نے تعلیمی نظام دیا اس میں عریاں لباسوں کو ڈریس کوڈ بنایا گیا حالانکہ لباس سے تعلیم کا کوئی تعلق نہیں ہے اس کے باوجود مغرب سے متاثر یا مرعوب لوگوں نے اپنا ڈریس کوڈ انہی کے لباس کو بنایا جو ہماری اسلامی تہذیب سے بالکل میل نہیں کھاتا۔ دنیا میں آج مسلمان کے علاوہ کوئی بھی اپنی تہذیب سے اس طرح چپکا ہوا اور محبت کرنے والا نہیں رہا جیسے مسلمان ہے اسی وجہ سے وہ مغرب اور مغرب سے مرعوب لوگوں کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں۔ اگر دنیا کے تمام ممالک کے قومی لباس پر غور کریں تو باخوبی وہاں کی خواتین کے حجاب اور پردے کو دیکھا جا سکتا ہے اس طرح تاریخ کے اوراق پلٹنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور باآسانی ثابت ہو جاتا ہے کہ دنیا کے مختلف اقوام کی خواتین میں حجاب عام تھا۔ اور جو کسی خاص مذہب یا قوم کے لئے مخصوص نہ تھا۔ تمام ادیان آسمانی میں حجاب واجب اور لازم قرار پایا ہے حجاب ایک فطری عمل ہے، اور تمام خواتین میں فطری طور پر موجود ہے، لہٰذا شریعت کے تمام احکام اور دستورات کو انسانی فطرت کے مطابق خلق کیا گیا ہے، پس معلوم ہوا کہ تمام ادیان الٰہی میں عورت کے لئے حجاب اور پردہ واجب قرار پایا ہے۔ تمام ادیان مثال کے طور پر زرتشت (آتش پرست) یہودیت، مسیحت اور اسلام میں خواتین کے لئے حجاب ایک لازمی امر ہے، یہ مقدس مذہبی کتابیں، دینی احکام اور دستور، مختلف آداب اور رسوم، اور ادیان الٰہی کے پیروانوں کی روش، اس بات کے اثبات کے لئے بہترین گواہ ہیں۔

تجاویز

اس تحقیقی عمل کے اختتام پر تجاویز کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے کیونکہ موجودہ تحقیق ایک محدود دائرے میں کی گئی ہے لہٰذا پہلے حصے میں تجویز دی جاتی ہے کہ اس کے دیگر پہلوؤں پر مزید تحقیق کے لئے کچھ اور محققین جستجو کریں اور انکا احاطہ کریں اس لئے محققین کرم کے لئے ان پہلوں اور نکات کا ذکر کرنا چاہوں گی جو راقم کی حدود تحقیق سے باہر تھے۔

اول حصہ: مجوزہ تحقیقی موضوعات برائے محققین

چند موضوعات درج ہیں۔

1۔ باحجاب خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک اور ان پر عائد پابندیوں کا مقابلہ کرنے کا طریقہ۔

2- حجاب کے پھیلاو میں مسلمان فقہاء کے دور جدید کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد اور فتوؤں کا اثر۔

3- حجاب کے متعلق مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے درمیان تقابلی جائزہ۔

دوم حصہ: برائی ہر خاص و عام

جیسا کہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ حجاب اسلام کی پیداوار نہیں ہے اس لئے اس بات کو عام کیا جائے۔

تاکہ جو لوگ حجاب کو مذہب اسلام کی سزا و قید قرار دیتے ہوئے حجاب کی مخالفت کرتے ہیں انہیں معلوم ہو سکے۔

اس بات کو لوگوں کو باور کرایا جائے سب سے آسان اور قابل احترام طرز حجاب اسلام نے دیا ہے نا کہ مذاہب دیگر نے۔

*****

References

---

1. Syed Abul-Ala, Maududi, *Purdah* (Lahore, Islamic Publications Pvt. Ltd., 2005),20.

سید ابوالاعلیٰ، مودودی، پردہ (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ، 2005ء)،20۔

2. Abd al-Karim B. Azar, Shirazi, *Islam nay Aurat ko kia diya* (Karachi, Dar-ul-Saqlain, 2016), 75.

عبدالکریم بی آزار، شیرازی، اسلام نے عورت کو کیا دیا (کراچی، دار الثقلین، 2016ء)،75۔

3. Abu Saad Ehsan ul Haque, *Shahbaz, Islam Aurat aur Europe* (Lahore, Dar al-Andalus, 2017), 18.

ابو سعد احسان الحق، شہباز، اسلام عورت اور یورپ (لاہور، دار الاندلس، 2017ء)،18۔

4. Syed Badiuddin Shah, Rashidi, *Islam mein* Aurat *ka Makam* (Sindh, Jamiat Ahl Hadith, 2009), 14.

سید بدیع الدین شاہ، راشدی، اسلام میں عورت کا مقام (سندھ، جمعیت اہل حدیث، 2009ء)،14۔

5. Muhammad Hafiz al-Rehman, Sue Harvey, *Qasas al-Qur'an* (Karachi, Darul asha'at Urdu Bazar, 2002), 124.

محمد حفظ الرّحمٰن، سیوہاروی، قصص القرآن (کراچی، دار الاشاعت اردو بازار، 2002ء)،124۔

6. Mian Masood Ahmad, Bhatta, *Hayat al-Nisa* (Lahore, Ahan Idarah Darul asha'at wa Tehqeeq, 2015), 32.

میاں مسعود احمد، بھٹہ، حیات النساء (لاہور، آہن ادارہ اشاعت و تحقیق، 2015ء)، 32۔

7. Abdul Rehman Ahmad bin Shoaib, Nasa'i, *Sunan Nasa'i* (Karachi, Qadeemi Kutab Khana Aram Bagh, 2004), 124, Hadith: # 72.

عبدالرحمٰن احمد بن شعیب، نسائی، سنن نسائی (کراچی، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، 2004ء)، 124، حدیث 72۔

8. Nasir Makaram, Shirazi, *Tafsir-e-Namona*, Mutrajam: Mulana Syed Safdar Hussain Najfi (Lahore, Misbah-ul-Qur'an Trust, 1417 AH), 313.

ناصر مکارم، شیرازی، تفسیرِ نمونہ، مترجم مولانا سید صفدر حسین نجفی (لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 1417ھ)، 313۔

9. Nasa'i, Sunan Nasa'i, , 1214.

نسائی، سنن نسائی، 1214۔

10. Hussain Mirza, Noori, *Mustadrak al-Wasil*, Vol. 3 (Qum, Mussa Al-Al-Bayt Lahiyya al-Tarath, 1408 AH), 244.

حسین میرزا، نوری، مستدرک الوسائل، ج 3 (قم، موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، 1408ھ)، 244۔

11. Syed Sharif, Razi, Mutrajam: Syed Zeeshan Haider, Javadi, *Nahjul Balagha* (Lucknow, Tanzeem ul makiteeb, 1998), Hikmat: 474.

سید شریف، رضی، مترجم، سید ذیشان حیدر، جوادی، نہج البلاغہ (لکھنو، تنظیم المکاتب 1998ء) حکمت: 474۔

12. Abu Abdullah Hakim, Neshapuri, *Mustadrak Hakim*, Mutrajam: Abul Fazl Muhammad Shafiq Qadri, Vol. 2 (Lahore, Idara Pigham al-Qur'an, 2013), 549.

ابو عبداللہ حاکم، نیشاپوری، مستدرک حکیم، مترجم: ابولفضل محمد شفیق قادری ج2(لاہور،ادارہ پیغام القرآن، 2013ء)، 549۔

13. Murtaza, Mutahari, Mutrajam: Syed Muhammad Musa, Rizvi, *Philsapha-e-Hijab* (Karachi, Jamia Tahlimat Islami Pakistan, 1993), 110.

مرتضیٰ، مطہری، مترجم سید محمد موسیٰ، رضوی، فلسفہ حجاب (کراچی، جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، 1993ء)، 110۔

14. Alauddin Ali, Muttaqi, Mutrajam: Muhammad Asghar Mughal, *Kunz al-Umal*, Vol. 16 (Karachi, Dar al-Sha'at, 2018), 383.

علاء الدین علی، متقی، مترجم محمد اصغر مغل، کنز العمال، ج16 (کراچی، دارالاشاعت، 2018ء)، 383۔

مسلمان اور تاریخ نویسی

Historiography and Muslims

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Rasul Jafirian
University of Tehran, History of Islam Department, Tehran, Iran.
Website: https://www.rasul-jafarian.com/

Translation By:
Syed Abu Raza
Lecturar Jamia Al Raza, Bara Khau, Islamabad.
E-mail: Noor.marfat@gmail.com

Abstract:
This paper is a translation of the part of the preface of Professor Rasool Jafarian's book "Political History of Islam- The Biography of the Gods' Messenger (PBUH)". The author has written very comprehensively on the historiography of Muslims. In this paper, the historical mindset and historical legacy of Arabs before Islam, the importance of historiography among Muslims after the emergence of Islam, the attention of Muslim rulers on historiography, the effects of historical writings of other nations on Arabs, historiography among Muslims. Various genres, as well as Muslim biographies and biographies and historiography, are examined. While this paper highlights the history of Muslim historiography, it also provides the best approach for Muslim historians to work on history.

Key Words: Historiography, Muslim Historians, Rasool Jafarian, Biography, History, Caliphs.

خلاصہ

یہ مقالہ استاد رسول جعفریان کی کتاب "تاریخ سیاسی اسلام-سیرتِ رسول خداﷺ" کے مقدمہ کے اُس حصے کا ترجمہ ہے جس میں مؤلفِ کتاب نے مسلمانوں کی تاریخ نگاری پر انتہائی جامع تحریر رقم فرمائی ہے۔ اس مقالے میں اسلام سے قبل عربوں کی تاریخی ذہنیت اور تاریخی میراث، ظہورِ اسلام کے بعد مسلمانوں کے ہاں تاریخ نگاری کی اہمیت، مسلمان حکمرانوں کی تاریخ نگارہ پر توجہ، عربوں پر دیگر اقوام کی تاریخی تحریروں کے اثرات، مسلمانوں کے ہاں تاریخ نگاری کی مختلف اقسام، نیز مسلمانوں کی سیرت نگاری اور سوانح نگاری اور تاریخ نگاری کی اقسام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جہاں یہ مقالہ مسلمانوں کی تاریخ نگاری کی تاریخ کو اجاگر کرتا ہے، وہاں یہ مسلمان تاریخ دانوں کے لئے تاریخ پر کام کرنے کی بہترین روش بھی فراہم کرتا ہے۔

کلیدی کلمات: تاریخ نویسی، مسلمان مؤرخین، رسول جعفریان، سیرت، رسول خداﷺ، تاریخ، خلفاء۔

تعارف

استاد رسول جعفریان کا شمار عالمِ اسلام کے منجھے ہوئے تاریخ دانوں میں سے ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "حیاتِ فکری و سیاسی امامان شیعہ" (شیعہ ائمہ کی فکری، سیاسی زندگی) مقدمہ میں مسلمانوں کی تاریخ نگاری پر انتہائی جامع مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ یہ مقالہ اس کتاب کے اِسی حصے کا ترجمہ ہے جس میں مذکورہ بالا موضوع پر انتہائی پر مغز گفتگو کی گئی ہے۔ استاد رسول جعفریان کے مطابق مسلمانوں کی عظیم تاریخی میراث، اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ ان کے اندر تاریخ کے علم کو منوانے کے مضبوط عوامل اور سرچشمے موجود ہیں۔ مسلمانوں کے پسندیدہ علمی شعبہ جات پر تطبیقی نگاہ ڈالنے سے اس علم کی اہمیت کو دریافت کیا جاسکتا ہے اور یہ جانا جاسکتا ہے کہ اسلامی تہذیب و تمدن میں رائج علوم میں سے تاریخ کا شمار اہم ترین شعبہ جات میں ہوتا تھا۔ ہر قوم کے اندر بہت سارے انگیزے موجود ہوتے ہیں جو انہیں تاریخ لکھنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ ایسے عوامل اور انگیزے مسلمانوں کے درمیان بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ بیرونی طور پر بھی کچھ اسباب کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جو مسلمانوں کی اس علم پر توجہ دینے میں مؤثر تھے۔

دور جاہلیت میں عربوں کی تاریخی میراث

عربوں کی تاریخی میراث ہر چیز سے بڑھ کر "ایام العرب" کے عنوان کے تحت درج ہوتی ہے۔ اس اصطلاح میں، "یوم" سے مراد وہ دن ہے جس میں کوئی اہم واقعہ وقوع پذیر ہوا ہو اور اس دن اور واقعہ کو تاریخی مقام حاصل

ہو گیا ہو۔اس لحاظ سے "یوم" اور "واقعہ" کا، "یوم صفین" یا "وقعۃ صفین" میں ایک ہی معنی ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ عرب ان دنوں کی یاد کو فراموش نہیں کرتے تھے اور زبانی طور پر ایک سے دوسری نسل تک منتقل کرتے تھے اور انہیں اپنی ادبی اور تفریحی محافل میں بیان کرتے تھے۔اس کے باوجود یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ ادبی کتب میں "دوران جاہلیت وایام العرب قبل الاسلام" کے بارے میں جو کچھ ہمارے لئے باقی ہے وہ سب دور جاہلی سے اسلامی دور میں زبانی روایات کی بنیاد پر منتقل ہوا ہے اور صرف آخری دور میں اسلامی تاریخ دانوں کے ذریعے اس کی تدوین عمل میں آئی ہے۔

ان ایام کو یاد رکھنا "بنیادی تاریخی ذہنیّت" ہے جو قوم عرب میں موجود تھی جس نے گذشتہ واقعات اور حالات کو ان کے لئے زندہ رکھا ہے۔ مسلمانوں میں موجود تاریخی شعور اور آگاہی میں ایام العرب کا وجود کتنا مؤثر تھا، اس بارے میں شک وتردید کا اظہار ہوا ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق ایام العرب کی جانب توجہ زیادہ تر ادبیانہ پہلو سے تھی نہ کہ تاریخی پہلو سے، صرف وقت گزرنے کے ساتھ اور تاریخی عناصر کے شامل ہونے کی وجہ سے ان پر توجہ دی جانے لگی۔Franz Rosenthal نے لکھا ہے: اس قسم کی داستانوں کا بنیادی مقصد سننے والوں کو تفریح فراہم کرنا، وقت گزاری اور ان کے جذبات کی تسکین ہوتا تھا۔ چونکہ ایام العرب میں بڑے بڑے واقعات درج تھے اور اس طرح کے واقعات کو ایک خاص اخلاقی پہلو سے سمجھا اور دیکھا جاتا تھا، اس لحاظ سے ان میں تاریخی عناصر بھی موجود تھے، اگرچہ ان میں کوئی تسلسل دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ان کہانیوں کو تاریخی علت و معلول کے عنوان سے نہیں دیکھتے تھے اور بے وقتی ہی ان کا اصل جوہر ہے۔[1]

اس ضمن میں، یہ بات بھی نوٹ کی جانی چاہیئے کہ اصولی طور پر، اسلامی تاریخ نگاری جو کہ جنگوں اور مختلف الجہات واقعات سے وابستہ مونو گراف ہے ،اس میں زمانی عنصر کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔اس معاملے میں یہ عرب عہد سے نمایاں مشابہت رکھتی ہے۔لیکن یہ امر ایام العرب یا اس مونو گراف کی تاریخی اہمیت کو کم کرنے کا ہر گز سبب نہیں ہے؛اگرچہ اپنی جگہ پر یہ بات درست ہے کہ ایام العرب کا مواد زیادہ تر ادبی اور شجاعت و بہادری کا پہلو رکھتا تھا۔

ایک اور مصنف نے، عربوں میں تاریخ کے لئے کسی مخصوص اصطلاح کی عدم موجودگی کا حوالہ دیتے ہوئے عربوں میں تاریخی بیداری کے وجود کی بنیادی طور پر نفی کی ہے! وہ لکھتے ہیں: "ظاہر ہے، اسلام کی آمد سے قبل تاریخ کے لئے مناسب اور مخصوص الفاظ کے بغیر، انہیں تاریخ کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا... در حقیقت، عربی ایسے لوگ تھے جن کو تاریخ کا کوئی علم نہیں تھا۔" لہٰذا مسلمان ،اسلام سے قبل عربوں کی تاریخ سے متاثر نہیں ہو سکتے تھے تاکہ تاریخ نگاری کی روایت تخلیق کریں اور اسے عام کر سکیں۔"[2]

اس جملے میں کچھ انتہا پسندی نظر آتی ہے۔ تاہم، یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں میں تاریخ نگاری کی موجودہ شکل کو اس کے برابر نہیں قرار دیا جاسکتا جو تنزیوں درمیان عرب ایام کی شکل میں موجود تھا۔ لیکن بلا شبہ تاریخ پر توجہ دینے میں ایک عامل "ماضی کی طرف توجہ دینے والی روح" ہے۔اس طرح کی ماضی کی طرف توجہ کی ایام العرب میں واضح جھلک موجود ہے۔ (جیسا کہ احسان عباس نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جنگوں اور غزوات کی جانب توجہ اور آغاز میں سیرت کی طرف توجہ ایام العرب کے نظریے سے ہی اخذ شدہ ہے البتہ اسلامی خطوط پر)۔ [3] یہ کہنا چاہئے کہ اس نظریے کے برخلاف، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسلامی تاریخ نگاری کی بنیاد اسلام سے پہلے کے عربوں، خاص طور پر یمنی عربوں کے مابین اس علم کی موجودگی میں ہے، اور کسی بھی طرح سے تاریخ اسلامی کا علم، حدیث سے اخذ شدہ نہیں ہے۔ حدیث سے تاریخ کے اخذ کا نظریہ بعض مستشرقین کا ہے جسے ڈاکٹر جواد علی نے ٹھکرادیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> طبری کے مصادر میں جو اس نے تحقیق کی ہے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تاریخ، حدیث سے زیادہ پرانا علم ہے۔ دور جاہلیت کی روایات کا بہت بڑا ذخیرہ داستانی رنگ کے غلبے کے باوجود اسلام سے قبل عربوں کی اس علم پر پوری توجہ کی دلیل ہے۔ [4] علم انساب نیز اسی علم کا حصہ ہے جس کی گذشتہ عربوں میں موجودگی کا کسی طور پر بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ممکن ہے۔ اس رائے میں افراط موجب بنے کہ اس کے قائل کو قومی تعصّبات کا شکار گردانا جائے۔اس نکتہ پر توجہ بھی مفید ہے کہ ایام العرب کا مواد، اعراب جاہلی کی تاریخی بصیرت کو ظاہر کرتا تھا، قرآن نے ایام اللہ کی اصطلاح کو متعارف کرا کے مذکورہ سوچ کا مقابلہ کیا۔ یہ طرز عمل ان دو اصطلاحوں کی تاریخ شناسی کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ علاوہ ازیں، ایام العرب کو اعراب جاہلی کی تاریخی میراث قرار دیا جاسکتا ہے۔ علم انساب کو بھی نچلے درجے کی اسی میراث میں شمار کیا جاسکتا ہے اور یہ مسلمانوں کی تاریخ کی طرف توجہ کے مؤثر عوامل میں سے ہے (اگرچہ نسب کے قالب میں ہی سہی)۔ [5]

قرآن کی تاریخی موضوعات پر گفتگو کے اثرات

بلا مقدمہ یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی علم تاریخ پر توجہ مرکوز کرنے میں قرآن مجید نے گہرا اثر چھوڑا ہے۔ [6] قرآن نے نہ صرف خود تاریخی مواد کو پیش کیا ہے بلکہ مسلمانوں کو تاریخ کے مطالعہ کی ترغیب بھی دلائی ہے تاکہ ہدایت اور دینداری کے حصول میں اس علم سے وہ استفادہ کریں۔ یہ دونوں چیزیں تاریخ پر توجہ دینے میں مسلمانوں میں مذہبی محرک ایجاد کرنے میں کارآمد رہی ہیں۔ البتہ اس توجہ کا دائرہ وقایع کی تشخیص میں حق و باطل تک محدود تھا اور اس خاص قانون کی سمت میں تھا جسے قرآن نے انسان کی معاشرتی زندگی کے حوالے

سے تاریخ میں پیش کیا تھا۔

اسلامی تواریخ کا مذہبی رنگ، خصوصاً انبیا پر انحصار اور رسول خداﷺ کے غزوات پر مسلسل کام اسی سوچ و فکر سے متاثر ہے تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ اور دیگر وجوہات کی بناء پر، مسلم تاریخی متون میں وسیع تاریخی موضوعات اٹھائے گئے۔ البتہ "عبرت" کا عنوان جو کہ قرآن کے تاریخی بیانات کے قالب میں موجود تھا، جس کی بنا پر بہت سے مواقع پر مسلمانوں نے غور و فکر سے کام لیا اور یوں تاریخ "تجارب الامم" کے عنوان سے پیش کی گئی۔ تاریخ انبیاء کے بارے میں قرآنی آیات کی تفسیر میں مسلمانوں کی دلچسپی، ان کی گذشتہ انبیاء کی تاریخ پر توجہ کا باعث بنی جس نے بعد میں انہیں اہل کتاب کی تاریخی نصوص کی طرف راغب کیا جس کا مسلم تاریخ نویسی کی ثقافت اور ان کی تاریخی کتب کے مواد اور مطالب پر بہت بڑا اثر ہوا۔

سنت رسول خداﷺ سے استفادہ کی ضرورت

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ عربوں کے مابین تاریخی واقعات کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی، تو ہمارے لئے اس بات کو قبول کرنا آسان ہے کہ محدثین کے بنیادی فرائض میں سے تھا کہ وہ رسول خداﷺ کے طرز عمل سے فقہ، اخلاق اور احادیث کے پرکھنے میں بہرہ مند ہونے کے لئے اسے محفوظ کریں۔ احادیث کی مختلف کتابیں جن میں احادیث کو جمع کیا گیا ہے خواہ وہ "مُسنَد" کی صورت میں ہوں یا "سنن" کی شکل میں یا پھر موضوعاتی ہوں، ان کا بہت بڑا حصہ رسول خداﷺ کی سیرت پر مشتمل ہے، جس کے نقل میں تمام دینی پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا تھا۔ یہ مجموعے ان روایات سے تشکیل پائے گئے جنہیں مسلمانوں نے دین شناسی کی ضرورت کے تحت رسول اللہﷺ کی رحلت کے بعد بتدریج جمع کیا تھا۔

تاریخی نکات بیشتر فقہ کے ابواب میں احادیث کے نقل کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔ "کتاب الجہاد" یا "کتاب السیَر" (کتاب جہاد کے معنی میں) نزدیک ترین فقہی باب ہے جو رسول اللہﷺ کے مغازی سے متعلق ہے۔ اس باب میں جنگوں کے فقہی احکام جاننے کی ضرورت کے تحت عمدہ طریقے سے تاریخی جنگوں کے امور بیان ہوئے ہیں۔ ابواسحاق فزاری کی کتاب السیر جو کہ چھپ چکی ہے، تاریخ پر محدثین کی توجہ کی غمازی کرتی ہے۔ چنانچہ محمد بن حسن شیبانی نے بھی کتاب السیر الکبیر لکھی ہے! کتاب السیر، کتب احادیث کے ان تمام مجموعوں میں ایک جزو کے طور پر مذکور رہے۔

رسول خداﷺ، ایک ممتاز شخصیت کی حیثیت سے، مسلمانوں کے ذہنوں میں اپنے لئے ایک خاص تاریخی کردار تشکیل دے سکتے تھے۔ پیغمبر اکرمﷺ کے بارے میں مسلمانوں کے لئے "اسوہ" کا عنوان، آپؐ کی زندگی کے بارے میں بغور مطالعہ کو لازم قرار دیتا ہے۔ اسی وجہ سے آج ہمیں رسول اللہﷺ کی شخصیت کے بارے میں

چھوٹی سے چھوٹی معلومات تک رسائی حاصل ہے، بعد کے ادوار میں دیگر اسلامی شخصیات کی زندگیوں کے بارے میں وہی تفصیلات درج کرنے کے ساتھ ان کا موازنہ کرنا مسلمانوں کے درمیان ان کی تاریخ نگاری اور تاریخی اثر و رسوخ کو ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، اسلامی تاریخ میں نقش نگاری کا شعبہ کسی حد تک پہلی نسل کی طرف سے آنحضرتؐ کی شکل و صورت کا خاکہ بنانے کی کاوش سے اخذ ہوا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سیرت کی کتب آنحضرتؐ کی ذاتی زندگی یا حتی کہ اسلام کی عمومی تاریخ تک محدود نہ رہیں بلکہ ان میں اصولی طور پر تاریخ پر تاریخ کے عنوان سے توجہ دی گئی اور تاریخی کتب کے ذخیرہ میں فراوان اضافہ کیا گیا۔

حکمرانوں کی تاریخ پر توجہ

جب انسانی معاشرے میں عام لوگ نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو تاریخ میں زندہ رکھنے میں دلچسپی لیتے ہیں تو یقیناً شہزادے، بادشاہ اور حکمران تاریخ میں خود کو زندہ رکھنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، کیوں کہ انہیں معاشرے پر اپنے اثرات زیادہ گہرے دکھائی دیتے ہیں اور وہ ان کو ماضی سے سیکھنے والے اسباق کی روشنی میں پائیدار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کا ذکر ممتاز افراد کے طور پر کریں۔ اس کے علاوہ حکومت چلانے کے لئے، انہیں دوسروں کے تجربات کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اپنے پسندیدہ دور کی تاریخ لکھوانے کے درپے ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آئندہ آنے والے لوگوں کے ذہنوں میں ان کا ایک مثبت تصور ابھرے اور ان کے بارے میں وہ اچھی رائے قائم کریں۔ اس کی وجہ سے وہ اپنی ہی حکومت کے واقعات لکھنے پر توجہ دیتے ہیں۔ فطری طور پر، اپنی تاریخی حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے، وہ تاریخ میں اپنی جڑیں زیادہ مضبوط اور اصلیت ظاہر ہونے کے لئے اپنے پسندیدہ ماضی پر بھی توجہ دیتے ہیں۔

اسلامی عہد کے حکمرانوں میں، امام علی علیہ السلام، تاریخ سے سبق سیکھنے کے بارے میں نہج البلاغہ میں دیے گئے بیانات کے مطابق، پہلے شخص ہیں جنہوں نے تاریخ پر سنجیدہ توجہ دی ہے۔ امام کا نقطہ نظر ماضی کو قرآنی زاویہ نگاہ سے سبق سیکھنے کے فریم ورک کے اندر صحیح سمت میں منتقل ہونے کے لئے استعمال کرنا ہے۔ آپؑ کے بعد معاویہ نے ماضی پر واضح طور پر توجہ دی اور اسے بروئے کار لایا۔ اس نے عبید بن شریہ سے کہا کہ وہ یمن کے بادشاہوں کے حالات تحریر کرئے اور اس نے بھی "کتاب الملوک واخبار الماضیین" کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی۔[7] کہا گیا ہے کہ معاویہ اپنے اوقات میں سے کچھ حصہ تاریخ سننے کے لئے صرف کرتا تھا جو اسے کتابوں سے پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔[8] اسی طرح اس نے علم انساب کے ماہر دِغفَلِ سے کہا کہ وہ یزید کو علم انساب کی تعلیم دے۔[9] معاویہ کی عربوں کے ماضی سے دلچسپی زیادہ تر تفریح اور وقت گذاری کی بنا پر تھی اس طرح سے وہ اپنے تعلق کو دور جاہلی کی ثقافت سے قائم رکھنا چاہتا تھا اور اس سے مربوط رہنا چاہتا تھا۔

معاویہ کے بعد کے حکمرانوں میں سے عبد الملک، رسول خداﷺ کی سیرت کے متعلق کچھ جاننے میں دلچسپی رکھتا تھا اس بارے میں وہ عروۃ بن زبیر سے سوالات پوچھتا تھا اور معلومات لیتا تھا۔[10] سلیمان بن عبد الملک نے ابان بن عثمان بن عفان کو سیرت پیامبرﷺ کے بارے میں ایک کتاب لکھنے کے لئے کہا۔ اگرچہ بعد میں اس نے سیاسی وجوہات کی بنا پر جو کچھ وہ ضبط تحریر میں لایا تھا اسے ضائع کر دیا۔[11] اس سلسلے میں ابن اسحاق کا سیرت کی کتاب منصور عباسی کو پیش کرنا بھی قابل اہمیت ہے۔ سیرت بیان کرنے کے لئے ہارون کی واقدی سے درخواست بھی حکمرانوں کی تاریخ اور سیرت کی طرف توجہ اور مؤرخین کی حوصلہ افزائی کو ظاہر کرتی ہے۔[12]

دوسری اقوام کے مابین اسلام کی جغرافیائی حدود میں توسیع کے سبب حکمرانوں نے دوسرے بادشاہوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور اس طرح سے، تاریخ نگاری کے دائرہ کار میں وسعت پیدا ہو گئی۔ تاریخ کی طرف حکمرانوں کی توجہ اس قدر وسیع ہو گئی ہے کہ کچھ نے کہا ہے کہ " انساب اور تاریخی روایات کا علم بادشاہوں کا علم ہے۔"[13] اس طرح سے علم تاریخ کو بادشاہوں سے مخصوص سمجھا گیا ہے۔

ہم نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ امام علی علیہ السلام نے لوگوں کو اپنے خطبات میں قرآن کی تعلیمات اور عبرت حاصل کرنے کی بنیاد پر تاریخ کے مطالعہ کی پرزور دعوت دی ہے۔ امام علیہ السلام کی دعوت، قرآن کی مطالعہ تاریخ اور اس سے سبق سیکھنے کی دعوت کا ہی تسلسل تھا۔ تاریخ سے استفادہ اور تاریخی واقعات سے سبق لینے کی دعوت کے بارے میں امامؑ کے بیانات کا ایک مجموعہ اکٹھا کیا گیا ہے۔[14] یہاں پر ہم اس میں سے صرف ایک بیان نقل کرتے ہیں:

> تمہیں ان عذابوں سے ڈرنا چاہیے جو تم سے پہلی امتوں پر ان کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے نازل ہوئے اور اچھے اور برے حالات میں ان کے احوال ووارادت کو پیش نظر رکھو اور اس امر سے خائف وترساں رہو کہ تم انہی کے جیسے نہ ہو جاؤ۔ اگر تم نے ان کی دونوں (اچھی.بری) حالتوں پر غور کر لیا ہے تو پھر ہر اس چیز کی پابندی کرو کہ جس کی وجہ سے عزت و برتری نے ہر حال میں ان کا ساتھ دیا اور دشمن ان سے دور دور رہے اور عیش وسکون کے دامن ان پر پھیل گئے اور نعمتیں سرنگوں ہو کر ان کے ساتھ ہو لیں اور عزت و سرفرازی نے اپنے بندھن ان سے باندھ لئے۔ یہ کہ وہ افتراق سے بچے اور اتفاق ویکجہتی پر قائم رہے، اسی پر ایک دوسرے کو ابھارتے تھے اور اسی کی باہم سفارش کرتے تھے۔
>
> تم ہر اس امر سے بچ کر رہو کہ جس نے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالا اور قوت و توانائی کو ضعف سے بدل دیا، (اور وہ یہ تھا) کہ انہوں نے دلوں میں کینہ اور سینوں میں بغض رکھا، ایک دوسرے کی مدد سے پیٹھ پھیر لی اور باہمی تعاون سے ہاتھ اٹھالیا۔ اور تم پر لازم ہے کہ گزشتہ زمانہ کے اہل ایمان

کے وقائع و حالات میں غور و فکر کرو کہ (صبر آزما) ابتلاؤں اور جانکاہ مصیبتوں میں ان کی کیا حالت تھی، کیا وہ ساری کائنات سے زیادہ گرانبار، تمام لوگوں سے زاید مبتلائے تعب و مشقت اور دنیا جہان سے زیادہ تنگی و ضیق کے عالم میں نہ تھے؟ کہ جنہیں دنیا کے فرعونوں نے اپنا غلام بنا رکھا تھا اور انہیں سخت اذیتیں پہنچاتے اور تلخیوں کے گھونٹ پلاتے تھے اور ان کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ تباہی و ہلاکت کی ذلتوں اور غلبہ و تسلط کی قہر سامانیوں میں گھرتے چلے جا رہے تھے۔

نہ انہیں بچاؤ کی کوئی تدبیر اور نہ روک تھام کا کوئی ذریعہ سوجھتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ یہ میری محبت میں اذیتوں میں پوری کدوکاوش سے صبر کئے جا رہے ہیں اور میرے خوف سے مصیبتوں کو جھیل رہے ہیں تو ان کے لئے مصیبت و ابتلاء کی تنگنائے سے وسعت کی راہیں نکالیں اور ان کی ذلت کو عزت اور خوف و ہراس کو امن سے بدل دیا۔ چنانچہ وہ تخت فرمانروائی پر سلطان اور مسند ہدایت پر رہنما ہوئے اور انہیں امیدوں سے بڑھ چڑھ کر اللہ کی طرف سے عزت و سرفرازی حاصل ہوئی۔

غور کرو! کہ جب ان کی جمعیتیں یکجا، خیالات یکسو اور دل یکساں تھے اور ان کے ہاتھ ایک دوسرے کو سہارا دیتے اور تلواریں ایک دوسرے کی معین ومددگار تھیں اور ان کی بصیرتیں تیز اور ارادے متحد تھے تو اس وقت ان کا عالم کیا تھا؟ کیا وہ اطراف زمین میں فرمانروا اور دنیا والوں کی گردنوں پر حکمران نہ تھے؟ اب تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھو کہ جب ان میں پھوٹ پڑ گئی، یکجہتی درہم برہم ہو گئی، ان کی باتوں اور دلوں میں اختلافات کے شاخسانے پھوٹ نکلے اور وہ مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے اور الگ الگ جتھے بن کر ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے لگے تو ان کی نوبت یہاں تک آ گئی کہ اللہ سبحانہ نے ان کی عزت و بزرگی کا پیراہن اتار لیا اور نعمتوں کی آسائشیں ان سے چھین لیں اور تمہارے درمیان ان کے واقعات حکایتیں عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت بن کر رہ گئیں۔[15]

عربوں پر دیگر قوموں کی تاریخی تحریروں کے اثرات

اسلامی تاریخ کی نگارش کی نشوونما میں دیگر اقوام کے تاریخی متون کا مسلمانوں کے درمیان منتشر ہونا ایک مؤثر عامل تھا۔ یہ بات خاص طور پر ایرانی اور بازنطینی کتابوں کے بارے میں کی جاتی ہے؛ اگرچہ اس کی تاثیر کس قدر تھی، اس میں اختلاف نظر موجود ہے۔ اسلامی ادوار میں لکھی گئی عمومی تواریخ؛ جیسے تاریخ یعقوبی، دینوری کی اخبار الطوال، نیز مسعودی کی مروج الذہب اور تاریخ طبری کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں فارسی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ تحریر میں بھی انہی کے اسلوب کی تقلید کی گئی ہے۔

ساوجیہ نے لکھا ہے:

تاریخ نگاری کی نشو ونما میں صرف ایرانی ساسانی نمونے اور کسی حد تک بازنطینی اور سریانی نمونے مؤثر واقع ہوئے ہیں، لیکن اس کی اصل شکل بنیادی طور پر عرب روایات اور اسلامی فکری ستونوں پر استوار ہے۔[16]

Franz Rosenthal نے تواریخ اسلامی کی نگارش میں خلفاؑ کے ادوار کے لحاظ سے وقائع نگاری کے اسلوب میں ایرانی تصنیفات کے اثر ورسوخ کو قبول کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

ایرانی تاریخ نگاری سے ان کے ابتدائی رابطے کے نتیجے میں، شاید مسلمان، حکمران خاندانوں کے مطابق تاریخی ادوار کو تقسیم کرنے کے وسیع اصول سے واقف ہو چکے تھے۔[17]

اس نے "وقایع نگاری کے اسلوب پر ایرانی تحریروں کے اثر و رسوخ کو قبول نہیں کیا، اور اسی طرح اس نے مسلمانوں کی یونانی اور بازنطینی تحریروں سے عدم واقفیت کی وجہ سے ان کے اثر ورسوخ سے بھی انکار کیا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ:

" کسی بھی اور کے تاریخی کام سے مسلم مصنفین کوئی خاص متاثر نہیں ہوئے، لیکن و قائع نگاری کی تنظیم وترتیب کی سوچ اور خیال مسلمان علماء کے اندر عیسائی سکالرز یا اسلام قبول کرنے والے عیسائیوں سے روابط سے پیدا ہوا۔[18]

اس کے بعد اس نے مذکورہ مصادر کے اسلامی اسکالرز کی دسترس میں ہونے کے کچھ ثبوت کا حوالہ دیتے ہوئے یک بار پھر تاریخی واقعات کی روش نگارش میں ان تحریروں کے مسلمانوں پر اثر ورسوخ کی تردید کی ہے، کیونکہ یہ کسی بھی طرح سے ثابت نہیں ہوا ہے کہ وہ معلومات ان تک اتنی جلدی پہنچ گئی ہوں کہ کہ ان کو وقائع نگاری میں متاثر کر سکیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

اس دراز مدت میں وہ تمام کتب جن کے متعلق واضح معلومات ہمارے پاس موجود ہیں ان کی بازگشت اس دور کی طرف ہوتی ہے جب اسلامی تاریخی تحریروں میں وقائع نگاری کی شکل وصورت ظاہر ہو چکی تھی۔[19]

البتہ ایرانی تاریخی آثار کی تاثیر گذاری اور تاثیر پذیری کے بارے میں مثبت رائے کا اظہار کرنا آسان ہے کیونکہ ایرانیوں کی تاریخ اور بالخصوص عملی اور خکومتی اخلاق کے موضوع پر تصنیفات مسلمانوں کے لئے دستیاب تھیں۔ ابن مقفع (م 144) نے کتاب "خدائی نامہ" کا ترجمہ کیا اور اس کا نام سیر الملوك رکھا۔ اسی طرح اس نے آئین نامہ، جو کہ ایک بڑی اور پر حجم کتاب تھی، کا ترجمہ بھی کیا۔ نیز اسحاق بن یزید نے اختیار نامہ جو سیرۃ الفرس کے نام سے معروف تھی، کا ترجمہ کیا اور اسی طرح دیگر کتابیں۔[20] ان میں سے بعض تحریروں کا ہشام بن عبد الملک

(م 124) کے لئے ترجمہ کیا گیا۔[21]
یہاں پر خاص طور پر مسلم تصینفات پر یہودی کتابوں (جو کہ غیر معمولی طور پر تاریخی پہلو کی حامل تھیں) کے اثرات کا اعتراف کیا جا سکتا ہے۔ کتاب المبتداء، جس میں عموماً خلقت کائنات، ہبوط آدم اور انبیاء کے قصے شامل ہیں، یہودیوں کی تقلید کے ساتھ ساتھ انبیاء کے بارے میں قرآن کی کچھ تاریخی آیات کی وضاحت کے لئے لکھی گئی تھی۔ ان تاریخی روایات کے سب سے اہم منبع کعب الاحبار اور وہب ابن منبہ تھے، جنہوں نے پچھلی امتوں کی خبروں کو مسلمانوں میں وسیع پیمانے پر پھیلا دیا تھا۔

مسلمان تاریخ نگاری کی مختلف اقسام

تاریخی تصنیفات کی انواع و اقسام کے بارے میں، روزنتھل، گیب، الدوری، سواژہ اور دوسروں کی طرف سے مختلف تقسیم بندی پیش کی گئی ہے۔ تاریخی کتابوں اور تصانیف کے ناموں سے حاصل کردہ چیزوں کی بنیاد پر، مسلم تاریخی تصانیف کو کئی گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

سیرت نگاری اور سوانح نگاری

یہ دو عنوان شاید چند پہلوؤں سے ایک دوسرے سے متفاوت ہوں، لیکن اصولی طور پر ایک ہی طرز نگارش کی بنیاد پر ضبط تحریر میں لائے جاتے ہیں مسلم بات یہ ہے کہ آسمانی مذاہب، ان میں نبوت کے عنصر کی موجودگی کے لحاظ سے، رسول اللہ ﷺ کو ایک اعلی مقام عطا کرتے ہیں۔ اس طرح کے زاویہ نگاہ نے "ایک شخص بطور شخص" اس کی خصوصیات کے ساتھ اہمیت کے نظریہ کو جنم دیا ہے۔
قرآن ایک ہی نظر میں گذشتہ اقوام کی، تاریخ کو ان کے پیغمبر اور اس کے نام کی بنیاد پر شناخت کراتا ہے۔ اس طریقہ کار میں قرآن دین کو اصلی محور سمجھنے کے ساتھ ساتھ انبیاء کی اہمیت کو بھی بتاتا ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شروع ہی سے نبی کریم ﷺ کی سیرت اور ان کے حالات زندگی پر توجہ دی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے احوال زندگی، صفات، خصوصیات اور یادگار واقعات کو محفوظ کیا اور انہیں بیان کیا۔ بعد میں اس قسم کی سیرت نگاری خلفاء، بادشاہوں، علماء اور یہاں تک کہ دوسرے طبقات کی سوانح حیات کی شکل میں زیادہ عام ہو گئی۔
سوانح نگاری میں چونکہ زمانے کے عنصر کو زیادہ مد نظر نہیں رکھا جاتا، اس لئے یہ اصطلاحی معنوں میں تاریخ شمار نہیں ہوتی لیکن ایک لحاظ سے، یہ ایک اہم ترین تاریخی ماخذ ہے۔ جو کہ معاشرے کے افراد اور افراد کی انفرادی اور معاشرتی زندگی میں نسبتاً وسیع آگاہی اور معلومات کو اپنے اندر لئے ہوتی ہے! یہ معلومات بیشتر مذہبی اور ثقافتی پہلوؤں سے قوموں کے سیاسی حالات اور اس میں تبدیلیوں کو سمجھنے میں کارآمد ہوتی ہیں۔
ایسا طریقہ مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوا ہے۔ متعدد فقہی اور کلامی مذاہب کے فقہاء اور علماء کی سوانح

حیات پر ان گنت کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ محدثوں فلسفیوں، معالجوں اور حالیہ دور میں علماء اور سیاستدانوں کی انفرادی سوانح عمریوں سے لے کر بڑے اہم اور مفصل مجموعے لکھے گئے ہیں۔ اس قسم کے علمی آثار مخصوص کتاب شناسی کے متقاضی ہیں۔ موجودہ مضمون کی بنیاد صرف ایک خاص معنی میں تاریخی تصانیف کا جائزہ لینا تھی۔ تاہم ایسی کتابوں کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

ایک عام درجہ بندی کی لحاظ سے سوانح عمری کی کتابوں کو چند قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ان میں سے کچھ کتابیں پیغمبرﷺ کے اصحاب کی سوانح حیات سے مخصوص ہیں۔ ان میں سے چار مشہور کتابیں یہ ہیں: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البرّ (368- 463)، معرفۃ الصحابۃ، ابو نعیم اصفہانی (430)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن اثیر (م 630)، اور الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ابن حجر عسقلانی (م 852)۔
- بعض مصنفین نے شہروں کی تاریخ کی شکل میں شخصیات کی سوانح حیات کو قلمبند کیا ہے۔ جیسے: تاریخ بغداد، خطیب بغدادی (م 463)، تاریخ نیشابور، حاکم نیشابوری (اس کا اصل نسخہ مفقود ہو چکا ہے)، جو کہ اب السیاق کے ذیل میں تاریخ نیشابور ہے اور باقی ہے۔ تاریخ اصبہان، ابو نعیم (م 430)، طبقات المحدثین بأصبہان، ابوالشیخ عبد اللہ بن حیان (م 369)، التدوین فی اخبار قزوین، رافعی (چھٹی صدی)، اعلام النبلاء بتاریخ الحلب الشہباء، محمد راغب الطباخ الحلبی، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب، ابن العدیم، تاریخ جرجان، ابوالقاسم حمزۃ بن یوسف سہمی (م 427)۔ ان میں سے مفصل ترین کتاب ابن عساکر (499- 571) کی تاریخ دمشق ہے جس کی اصل متن سے اب تک پچاس جلدیں شائع ہو چکی ہیں (بیروت، دارالفکر) اور ان کی مزید تعداد اسی تک پہنچ جائے گی۔ نیز ابن منظور کی مختصر تاریخ دمشق تیس جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ (دمشق، دارالفکر المعاصر)
- ان میں سے بعض کتب تاریخ محدثین کے عنوان سے طبقات کی صورت میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں اہم ترین ابن سعد کی طبقات الکبری، خلیفۃ بن خیاط کی کتاب الطبقات اور ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ ہیں۔
- اس طرح کی بہت ساری کتب کسی خاص مذہب کے علماء سے مخصوص بھی ہیں جیسے: سبکی کی کتاب طبقات الشافعیہ ابن ابی یعلی کی طبقات الحنابلہ، تقی الدین بن عبد القادر تمیمی الداری حنفی (م 1005 یا 1010) کی الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیہ اور محیی الدین عبد القادر بن محمد قرشی حنفی (696- 775) کی الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ہیں۔

- بعض مصنفین نے حروف تہجی کے اعتبار سے تمام بڑی اسلامی شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جن میں فقہاء، محدثین، مورخین اور سیاستدان شامل ہیں۔ عظیم مجموعے یاقوت حموی کی معجم الادباء، ابن خلکان (608- 681) کی وفیات الاعیان، ذہبی کی سیر اعلام النبلاء، صفدی (م764) کی الوافی بالوفیات اور ابن شاکر کتبی کی فوات الوفیات اسی قبیل کی کتب ہیں۔ انہی کے ساتھ ابو نعیم اصفہانی (م430) کی کتاب حلیۃ الاولیاء کا ذکر بھی کرنا چاہیے جس نے زاہدوں اور عارفوں کی ایک لمبی فہرست متعارف کرائی ہے۔
- بعض تصنیفات صرف شخصیات کے علم ودانش کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہیں اور ان کے تفصیلی حالات زندگی پر کم توجہ دی گئی ہے۔ درج ذیل کتب اس قسم سے تعلق رکھتی ہیں:

تاریخ یحییٰ بن مَعین، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، تاریخ الکبیر بخاری، الجرح والتعدیل ابوحاتم رازی، الثقات و المجروحین ابن حبان، تہذیب الکمال مزّی (654- 742)، الکامل فی ضعفاء الرجال ابن عدی، میزان الاعتدال ذہبی، لسان المیزان ابن حجر (773- 852) اور ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب۔

- بعض نے نسب کہ جس کا یہاں پر معنی لقب ہے، کے عنوان کے تحت افراد کے تذکرے لکھے ہیں۔ جیسے: سمعانی کی کتاب الانساب یا ابن ماکولا کی کتاب الاکمال۔

شاید ان سب سے زیادہ مفید اور تفصیلی تاریخ کی وہ عمومی کتب ہیں جن میں ہر سال کے واقعات کے ضمن میں مرحومین کے تذکرے ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے افراد کا ذکر کسی عام سوانح عمری کے ماخذ میں نہیں ملتا۔ اس کی مثالیں ہم اپنے مقام پر پیش کریں گے۔

اہم امور اور واقعات میں مونو گراف

واقعات کی مونو گراف، تاریخی تحریروں کی ایک اور قسم ہے جسے مسلمانوں نے اہم اور قابل ذکر واقعات کو ریکارڈ کرنے میں استعمال کیا ہے۔ اس طرح کی تحریریں زیادہ تر حوادث سے بھرپور دنوں کے بارے میں ہیں اور اس لحاظ سے ایام العرب سے مشابہ ہیں۔ ایام العرب خون ریز جنگوں اور لڑائیوں سے عبارت تھا۔ اس لحاظ سے واقعات سے بھرپور تھا۔ یہ طرز نگارش اندرونی طور پر کسی ایک واقعہ کی خبروں سے مرکب ہوتا ہے اور اسے تاریخ نگاری کا سب سے پہلا اسلوب قرار دیا جاسکتا ہے جو مسلمانوں کے درمیان مستعمل ہوا۔ بعد میں عمومی تواریخ اس مونو گراف سے ملحق ہو کر وجود میں آئیں۔

ان مونو گراف میں ترتیب ان واقعات پر مبنی ہے ان کے نتیجے میں بڑا واقعہ اور حادثہ پیش آیا تھا اس طرح سے کہ واقعہ کو بیان کرنے میں اس واقعہ کے اندرونی چھوٹے چھوٹے واقعات کی ترتیب کا صرف خیال رکھا گیا۔ ابو مخنف، ہشام کلبی اور مدائنی کا شمار ان مؤرخین میں ہوتا ہے جن کی بیشتر مونو گراف تصنیفات مذکورہ اسلوب پر لکھی گئی

ہیں۔ ابو مخنف کی بعض کتابوں کے عناوین یوں ہیں: کتاب الجمل، کتاب صفین، کتاب الشوری، مقتل عثمان، مقتل حجر بن عدی، وفاۃ معاویہ وولایۃ ابنہ یزید، وقصۃ الحرۃ و حصار ابن الزبیر و...[22]

بہت سارے موارد میں اور شاید مذکورہ بالا صورت میں مونو گراف کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے کہ انہیں منظّم کرکے جوڑا جائے تو ایک طویل دور پر مشتمل کئی جلدوں کی کتاب بن جائے گی۔

مونو گراف کا تعلق نہ صرف فوجی اور سیاسی واقعات سے تھا، بلکہ معاشرتی امور، جو تاریخی و معاشرتی نقطہ نظر سے مورخ کے لئے دلچسپی کا باعث بن سکتے تھے، اُن کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ بد قسمتی سے، ان میں سے بہت سے آثار ضائع ہو چکے ہیں۔ اس قسم کی کتابوں کی مندرجہ ذیل مثالیں دی جا سکتی ہیں:

کتاب المُعَمَّرِین؛ یعنی لمبی عمر پانے والوں کا تعارف۔ کتاب المثالب؛ یعنی قبائل اور افراد کی برائیاں۔ کتاب الاوائل؛ یعنی ابتدائی کام کن لوگوں کے ہاتھوں انجام پائے۔ کتاب اسواق العرب؛ یعنی عربوں کے بازار۔ کتاب الموؤدوات یعنی زندہ در گور کی جانے والی لڑکیاں۔ کتاب فخر الکوفۃ علی البصرہ، یعنی کوفہ کی بصرہ پر برتری۔ کتاب اسماء بغایا قریش فی الجاہلیۃ و من وَلَدن؛ یعنی قریش کی بدنام زمانہ عورتیں اور ان کی اولادیں۔ کتاب من تزوّج من الموالی فی العرب؛ یعنی عربی عورتوں سے شادی کرنے والے عجمی وغیرہ...

یہ کچھ عظیم مونو گراف مورخین، جیسے ہشام کلبی، مداینی، اور دیگر کی لکھی گئی کتابوں کی مثالیں ہیں۔ اگرچہ ان تحریروں سے تاریخی متون میں استفادہ کیا گیا ہے، لیکن ادبی کتابوں نے ان سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ ابتدا میں تاریخی معلومات "خبر اور حدیث" کی شکل میں تھیں۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے روزینتھل مونو گراف کو روایات کے اندراج کی آخری شکل سمجھتا ہے۔ اگلا قدم وقائع نگاری ہے۔[23]

عمومی اور تقویم کے لحاظ سے تاریخ نویسی

اگر ہم صرف انہی نگارشات کو تاریخ سمجھیں جو زمانے کے اعتبار سے لکھی گئی ہیں تو پھر ہمیں دیگر تاریخ کی مانند تصنیفات کو مذکورہ قسم کا مقدمہ یا حاشیہ قرار دینا چاہیے۔ سالوں کی بنیاد پر تاریخ لکھنے پر، مغازی اور سیرت نگاری میں کسی حد تک توجہ دی گئی ہے؛ کیونکہ سیرت میں نبی اکرم ﷺ سے مربوط واقعات کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ جنگوں کے اوقات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ (جیسا کہ واقدی غزوات کی تاریخ ہجرت سے گزرے مہینوں کی بنیاد پر معین کرتا ہے)۔ خلفاء کی سوانح حیات لکھنا اور ان کے دور کے واقعات کو قلمبند کرنا «وقت اور تقویم» سے زیادہ استفادہ کرنے کی ضرورت کا تقاضا کرتا ہے۔

دوسری صدی میں اس قسم کی تصنیفات بہت ہی کم پائی جاتی ہیں آج جو کچھ موجود ہے وہ تیسری صدی کے بعد سے لکھا گیا ہے۔ ان میں بعض کتابوں میں سیر زمانی کو پیش نظر رکھنے کے باوجود واقعات کو سالوں کی بنیاد پر بیان نہیں

کیا گیا۔ جیسے تاریخ یعقوبی، مسعودی اور دینوری ہیں۔ ان کتابوں میں خصوصاً انبیاء اور بادشاہوں کی تاریخ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں رائج ٹائم شیڈول کو استعمال کیا گیا ہے۔[24] اس کے بعد اہم ترین واقعات کو ہر فصل کی ابتداء کے عنوان سے کتابوں میں درج کیا گیا ہے۔ طبری نے سالوں کی بنیاد پر اسلامی واقعات کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح خلیفۃ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں اور فَسَوی نے المعرفۃ والتاریخ میں سالوں کی بنیاد پر واقعات کو بیان کیا ہے۔ بد قسمتی سے آخر الذکر کتاب امویوں کے دور کے خاتمہ تک مفقود ہو چکی تھی۔ کہا گیا ہے کہ ہیثم بن عدی (م 207) کی کتاب تاریخ کیلنڈر کے حساب سے تھی۔ کیلنڈر کے مطابق تاریخ نگاری کا انداز مسلمانوں میں مقبول ترین صورت میں باقی اور رائج رہا۔ ابن جوزی نے اپنی کتاب المنتظم میں، ابن اثیر نے الکامل میں، ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ میں اور بہت سارے دیگر مورخین نے اسی اسلوب کو اپنایا ہے۔ اس کتاب میں ہماری بحث کا مرکزی موضوع ایسی کتابوں کا جائزہ لینا ہے، جن پر ہم ذیل میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

*****

References

---

1. Azhand, Yaqub, *Tarikh Nagari Dar Islam*, (Tarjma wa Tadween), Vol.1 (Tehran, Gastra, 1361 AD), 32-33.

آژند، یعقوب، *تاریخ تاریخنگاری در اسلام*، (ترجمہ وتدوین)، ج1، (تہران، گسترہ، 1361ش)، 32-33۔

2. Mian, Muhammad Sharif, *Tarikh Pholspha Dar Islam*, Vol. 3 (Tehran, Markaz Nashir Danish gahi, 1365 AD), 296.

میاں، محمد شیرف، *تاریخ فلسفہ در اسلام*، ج3، (تہران، مرکز نشر دانشگاہی، 1365)، 296۔

3. Ahsan Abbas, *Fun-al Seerah* (Bruit, Dar-ul Saqafah), 13.

احسان عباس، *فن السیرہ* (بیروت، دار الثقافۃ)، 13۔

4. Jawad Ali, *Mawārid Tārīkh al-Ṭabarī*, Bakh Nakhasat, 157-158.

جواد علی، *موارد وتاریخ الطبری*، تقدیم محمد صاحل الساعی، بخش نخست، (عراق، ندارد، 2012)، 157-158۔

5. Azhand, Yaqub, *Tarikh Nagari Dar Islam*, 13-32.

آژند، یعقوب، *تاریخ تاریخنگاری در اسلام*، 13و32۔

6. Ibid, 39.

ایضاً، 39۔

7. Muhammad bin Ishaq bin Nadeem, *al-Fahrist* (Tehran, 1393 AD), 102.

محمد بن اسحاق بن ندیم، الفہرست (تہران، 1393ق)، 102۔

8. Al-Masudi, Abu Al-Hasan, Ali bin Al-Hussain, *Maruj al-zahab wa Ma’adin Al-Jawhar*, Vol. 2 (Beirut, Dar Al-Andalus, Al-Tabbat Al-Wali 1358 AD), 72; Queted from: *Al-Tarikh al-Arabi wa al-mowrkhon*, Vol. 1, 124.

المسعودی، ابو الحسن، علی بن الحسین، مروج الذہب و معادن الجوہر، ج 2، (بیروت، دار الاندلس، الطبعۃ الاولی 1358ق)، 72؛ بہ نقل از: التاریخ العربی والمورخون، ج1، 124۔

9. Shakir Mustafa, *Tarikh Al-Arabi wa Mowrkhon*, Vol. 1 (Beirut, Dar-ul-Ilam Lalmayain, 1983), 136.

شاکر مصطفیٰ، التاریخ العربی والمورخون، ج1، (بیروت، دار العلم للملایین، 1983)، 136۔

10. Yusuf Horofats, *Al-Maghazi al-Awali wa Moallifuha*, trajma: Hussain Nissar, (Miser, Matabat al-Halabi, nd.), 21-20.

یوسف ھوروفتس، المغازی الاولی و مؤلفوہا، ترجمہ: حسین نصار، (مصر، مطبعۃ الحلبی، ندارد)، 21-20۔

11. Zubair bin Bakar, *Al-Mufaqiyat*, Tehqeeq Dr. Sami Makki al-Aani (Baghdad, Matabat al-Ma'ani, 1392 AD), 333-332.

زبیر بن بکار، الموفقیات، تحقیق الدکتور سامی مکی العانی، (بغداد، مطبعۃ المعانی، 1392ش)، 333-332۔

12. Yusuf Horofats, *Al-Maghazi al-Awali wa Mowalfoha*, 102; Tabqaat al-Kubrah, Vol. 5, 315; Muhammad bin Saad, Tabaqat al-Kubra,Vol. 5 (Beirut, Dar Ihya al-Tarath al-Arabi, 1405 AH), 315.

یوسف ہوروفتس، المغازی الاولی و مؤلفوہا، 102؛ محمد بن سعد، طبقات الکبری، ج 5 (بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1405ق)، 315۔

13. Suyuti, Jalal al-Din, *Al-Muzhar*, Tehqeeq Muhammad Ahmad Jad Al-Mouli wa... Vol. 1 (Cairo, Dar Ihya Al-Kitab al-Arabiyyah, nd.), 357.

سیوطی، جلال الدین، المزہر، تحقیق محمد احمد جاد المولی و... ج1 (قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیۃ، ندارد)، 357۔

14. Muhammad Mehdi Shams, *Harkta al-Tarikh Indal-Imam Ali (a.s)*, Intasharaat Bunyad Nahj al-Balaghah.

محمد مہدی شمس الدین، حرکۃ التاریخ عند الامام علی علیہ السلام، انتشارات بنیاد نہج البلاغہ۔

15. Imam Ali (A.S.) *Nahj al-Balaghah*, Translated by Sayyid Jafar Shahidi (Tehran, Chap III 1371 AD), 219-218.

امام علی علیہ السلام، نہج البلاغہ، ترجمہ سید جعفر شہیدی، (تہران، چاپ سوم 1371ش)، 219-218۔

16. Zhan Swajah, *Madkhal Tarikh Sharq Islamai*, trajma: Noosh Afreen Ansari (Tehran, Markiz Nashir Danishgai, 1366 AD), 29.

ژان سواژہ، مدخل تاریخ شرق اسلامی، ترجمہ نوش آفرین انصاری (تہران، مرکز نشر دانشگاہی، 1366ش)، 29۔

17. Azhand, Yaqub, *Tarikh Nagari Dar Islam*, 106.

آژند، یعقوب، تاریخ تاریخنگاری در اسلام، 106۔

18. Ibid, Vol.1, 92-94.

ایضاً، ج1، 94-92۔

19. Ibid, 106.

ایضاً، 106۔

20. Shakir Mustafa, *Al Tarikh Al-Arabi wa al Mowrkhon*, Vol. 1, 143-148.

شاکر مصطفیٰ، التاریخ العربی والمورخون، ج1، 148-143۔

21. *Dairat al-Mahrif al-Islamia*, Vol. 4, (nc., np., 1933), 487.

دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، ج4، (ندارد، ندارد، 1933)، 487۔

22. Muhammad bin Ishaq bin Nadeem, *al-Fahrist*, 105

محمد بن اسحاق بن ندیم، الفہرست، 105۔

23. Azhand, Yaqub, *Tarikh Nagari Dar Islam*, 85.

آژند، یعقوب، تاریخ تاریخنگاری در اسلام، 85۔

24. Muhammad bin Jarir, Al-Tabari, *Tarikh Al-Tabari*, Tehqeeq Muhammad Abul-Fazal Ibrahim, Bakhsh Nakhasaat (Cairo, Dar al-Maarif, nd.), 173.

محمد بن جریر، الطبری، تاریخ الطبری، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، بخش نخست (قاہرہ، دار المعارف، ندارد)، 173۔

تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کے منہج کا تجزیاتی مطالعہ

Tuffa –Tul- Ahwazi Sharah Jamia Tirmizi
An Analytical Review of the Style of Mulana Abdul Rehman Mubarik Puri

Dr. Shabbir Hussain
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Al-Qadir University Project Trust, Sohawa Jhelum
E-mail: shabbir.hussain@alqadir.edu.pk

Dr. Fahmeeda Bibi
Assistant professor, Department of Islamic and Arabic Studies, University of Swabi.
E-mail: fahmeedaabrar3@gmail.com

Abrar Ullah
Ph.D Scholar, Department of Islamic studies .NUML Islamabad
E-mail: abrarisb@gmail.com

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Abstract:
The book ***Tuhfat-ul- Ahwazi Sharah e Jami-e-Tirmazi*** is a reading guide to ***Jami-e- Tirmazi*** written by the expert of Hadith, Abdul Rahman bin Abdul Raheem Mubarakpuri. This book is very famous in Arab and non-Arab world. Importance of the book is known by the academicians, scholars and professionals. Many scholars believe that this is the most authentic interpretation of ***Jami-e-Tirmazi***.
The excellent features of this book may be counted as the biography of Tirmidhi's narrators, the interpretation of hadiths, the identification of Imam Tirmidhi's tolerance

declaring the ahadiths as correct or incorrect, the explanation of textual difficulties of Jami-e-Tirmazi, the identification of incorrect interpretations of hadiths, and the identification of the right sect among different sects. This article discusses these features of Tuhfat-ul- Ahwazi in details.

Key Words: *Tuhfat-ul- Ahwazi, Jami-e-Tirmazi*, Mubarikpuri, Abdu-al Rahman, Imam Tirmazi.

خلاصہ

تحفۃالاحوذی جامع ترمذی کی شرح ہے۔ یہ کتاب محدث عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارکپوری نے لکھی ہے۔یہ کتاب عرب و عجم میں بے حد مقبول ہے۔ جید علماء عرب کااس کتاب کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ جامع ترمذی کی اس سے بہتر کوئی شرح نہیں۔ اہل علم سے اس کتاب کی قدر و منزلت مخفی نہیں ہے۔ ترمذی کے راویوں کے تراجم، احادیث کی تخریج، تصحیح و تحسین میں امام ترمذی کے تساہلات کی نشاندہی، متنی مشکلات کی وضاحت، احادیث کی نادرست تاویلات کی نشاندہی اور اختلاف مذاہب میں مذہب حق کی نشاندہی اِس کتاب کی عمدہ خصوصیات ہیں جن پر مقالہ ہذامیں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

کلیدی کلمات: تحفۃالاحوذی، جامع ترمذی، عبدالرحمٰن، مبارک پوری، امام ترمذی۔

تحفۃالاحوذی شرح جامع ترمذی میں مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کا منہج واسلوب

1) جامع ترمذی کے ہر راوی کا ترجمہ بقدر ضرورت لکھاگیاہے۔اور مقدمہ شرح میں تمام راویوں کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی بھی دے دی گئی ہے۔اور جس راوی کا ترجمہ شرح کے جس صفحہ میں مذکور ہے، اس کا نشان دے دیاگیاہے۔

2) جامع ترمذی کی تمام حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے۔کتاب کی حدیثوں کو امام ترمذی رحمۃاللہ علیہ کے علاوہ اور دیگر جن محدثین نے تصانیف میں روایت کی ہے ان کااور ان کی تصانیف کا نام بتادیاگیا۔

3) امام ترمذی نے "وفی الباب" کے عنوان سے جن احادیث کی جانب بتایاہے۔ان کی مفصل تخریج کی ہے۔ ان احادیث کے الفاظ بھی اکثر مقامات میں نقل کیے گئے ہیں۔احادیث مشار الیہاکے علاوہ اور دیگر احادیث کی تخریج کا بھی جابجااضافہ کیاگیاہے۔

4) تصحیح و تحسین حدیث میں امام ترمذی کا تساہل مشہور ہے۔ اس لیے ہر حدیث کی تحسین و تصحیح کے متعلق دیگر ائمہ فن حدیث کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں اور جن احادیث کی تصحیح و تحقیق میں امام ترمذی سے تساہل ہوا ہے، اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔

5) اسنادی و متنی اشکالات کے حل وایضاح کی طرف خاص طور سے توجہ کی گئی ہے۔

6) احادیث کی توضیح و تشریح میں بہت کچھ تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔اور جن مقلدین جامدین اور جن اہل ہوا نے احادیث نبویہ کو اپنے مذہب ومسلک پر منطبق کرنے کے لیے غلط اور روایتی تاویلیں و تقریریں کی ہیں،ان کی تاویلات و تقریرات کی کافی تغلیط وتردید کر دی گئی ہے۔احادیث کے صحیح مطالب و مضامین جو سلف صالحین اور فقہاء محدثین کے نزدیک متعمد ومستند ہیں، بیان کیے گئے ہیں۔

7) اختلاف مذاہب کے بیان میں ہر مذہب کے دلائل بیان کرکے مذہب حق وراجح ظاہر کر دیا گیا، مذاہب مرجوحہ و غیر صحیحہ کے دلائل کا شافی جواب دیے گئے ہیں۔

8) آثار السنن (شوق نیموی) وغیرہ کی جابجا لطیف اور قابل دید تنقید کی گئی ہے۔

تمہید

پہلے باب میں ۱۴ فصلیں ہیں۔جن میں عام فنون حدیث، کتب حدیث،ائمہ حدیث کے متعلق نہایت کار آمد اور ضروری فوائد جمع کر دیے گئے ہیں اور دوسرا باب ۱۷ فصلوں پر مشتمل ہے۔جن میں خاص جامع ترمذی اور امام ترمذی کے متعلق بہت ضروری اور غایت درجہ مفید مباحث مذکور ہیں۔

باب ثانی جن نادر اور قیمتی نوادر پر مشتمل ہے،ان کا جاننا جامع ترمذی کے طالب علم کے لئے از حد ضروری ہے۔ ان مباحث کو پڑھے بغیر جامع ترمذی کا پڑھنا اور پڑھانا بے معنی اور لاحاصل ہے۔ مقدمہ میں مختلف مناسبتوں سے ۱۵۵/ائمہ حدیث و تفسیر و فقہ و لغت کے تراجم بھی آگئے ہیں اس کی تمام خوبیوں کا اندازہ شروع میں ملحقہ فہرست سے ہو جاتا ہے جس میں ۱۲ صفحات ہیں۔ آخر میں مولانا مبارکپوری کا مختصر تذکرہ بھی ہے۔

تحفۃ الاحوذی میں غیر ضروری مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے نفس کتاب کی توضیح و شرح کا پورا اہتمام والتزام کیا گیا ہے۔" صاحب تحفۃ الاحوذی "عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے بھی تقریباً اس طرح لکھا ہیں۔ فرماتے ہیں:
"ابواب باب کی جمع ہے، حقیقت میں اس حسی چیز کا نام ہے جس سے دوسرے چیز میں داخل ہونا ہوتا ہو، اور مجازا ایک جیسے مسائل کے عنوان کا نام ہے"

علامہ بدر الدین عینیؒ طہور کی معنی کا تعین بھی کیا، اور علامہ کرمانیؒ کے معانی سے اعراض کیا ہے، کہا کہ طُہور سے مراد وضوء اور غسل دونوں ہیں۔

ولادت

حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی ولادت ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۵ء کو اعظم گڑھ (اتر پردیش) کے ایک گاؤں قصبہ مُبارِک پور کے محلّہ صُوفی پُورہ میں ہوئی۔[1] ان کا تعلق مبارک پور کے انصار خاندان سے تھا جسے اللہ نے علم کے ساتھ عمل کی نعمت بھی بخشی تھی۔[2]

تعلیم وتربیت

آپ کا گھر مبارک پور کا دینی مدرسہ تھا۔آپ کا گھرانہ شرف وبزرگوای اور فضل کمال کا تھااس گھرانے کے افراد زہد وتقویٰ وطہارت کی دولت سے مالا مال تھے۔

آغاز تعلیم

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کی تعلیم کاآغاز اپنے محلے کے مدرسے سے ہواجہاں آپ نے ابتدائی کتب پڑھیں۔آپ کے پہلے استاد آپ کے والد محترم حافظ عبدالرحیم مبارک پوری تھے۔مولانا حکیم سید عبدالحیٔ الحسنی فرماتے ہیں۔

"وقرا المختصرات على والده "[3]

اپنے والد محترم سے چھوٹی کتابیں پڑھیں۔

وفات

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے 16 شوال 1353ھ22/ جنوری 1935ء کو مبارکپور میں انتقال فرمایا۔[4]

تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی کا تعارف و تجزیہ

جامع ترمذی کی شرح ہے اس کو چار جلدوں میں مکمل کیا۔اس شرح کی کیا خصوصیات ہیں۔اس بارے میں شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری لکھتے ہیں کہ:

" مولانا ابوالعلی علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اس مبارک شرح میں جن مفید اور ضروری اُمور کا التزام اور لحاظ کیا ہے،ان کا مجموعہ کسی دوسری شرح میں نہیں مل سکے گا۔ان اُمور کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ان میں سے بعض مختصراً درج کیے جاتے ہیں:

"هواحسن شرع الجامع الترمذي ظهرعلي وجه الارض لم ترالعيون مثله"

ترجمہ: روئے زمین پر جامع ترمذی کی سب سے بہترین شرح ہے اور اس سے بہترین شرح آنکھوں نے نہیں دیکھا۔[5]

الفاظ کی وضاحت

بعض اوقات کچھ کلمات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں پر ان الفاظ کا اگر لغوی معانی مراد لیا جائے تو اس سے مکمل حدیث کا مفہوم غلط ہو جاتا اور حدیث نبوی کا جو مطلب ہوتا ہے وہ صحیح طور پر سامنے نہیں آتا۔ ایسے مواقع پر ضروری ہوتا ہے کہ ان کلمات اور الفاظ کی لغوی تحقیق ایسے معنی سے کی جائے کہ حدیث کا مفہوم صحیح ہو جائے۔ آپؒ اس قسم کی الفاظ کی وضاحت فرماتے ہیں:

(ا) امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

"حضرت انس سے مروی ہے جناب حضور ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے فرماتے اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شعبہ نے فرمایا ہے کہ میرے استاد نے دوسری دفعہ اس طرح پڑھا میں پناہ مانگتا ہوں نر اور مادہ شیاطین سے"[6]

مبارکپوریؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خبث سے نر شیاطین یا نجاست مراد ہے اور خبائث سے مراد مادہ شیاطین یا نفوس خبیثہ مراد ہے"

اس لغوی تحقیق کے بعد لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود یہ کہ شیاطین سے محفوظ تھے پھر بھی شیاطین سے پناہ مانگتے تھے اس جانب تنبیہ ہے انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو طرف محتاج ہے نیز اس میں امت کے لیے تعلیم بھی۔اور بیت الخلاء کو استعاذہ کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا کیونکہ یہ علیحدہ اور خالی ہونے کی جگہ ہے"

(۲) امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

''عن عائشة عنها قالت: كان النبي إذا خرج من الخلاء قال غفرانك''[7]

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے " غفرانك " اب سوال یہ آپ ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے وقت اللہ تعالیٰ سے بخشش کیوں مانگتے تھے؟ مفتی صاحبؒ پہلے لفظ " غفرانك " کی لغوی اور نحوی تحقیق رقم کرنے کے بعد اس سوال کا جواب لکھتے ہیں: "تحفۃ الاحوذی" میں توجیہات ذکر کی گئی ہیں مگر ان کی عبارت آسان، مختصر اور واضح ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

بعض اوقات امام ترمذیؒ جس باب کا ذکر کرتے اس میں ایسے احادیث ذکر ہوتی جو صرف کسی ایک یا دو ائمہ کے مسائل کی وضاحت کرتے تھے۔"تحفۃ الاحوذی" میں یہی توجیہات ذکر کی گئی ہیں مگر ان کی عبارت آسان،

مختصر اور واضح ہیں۔ لکھتے ہیں:

"لفظ غفرانک" یا تو مفعول ہے جس کی تقدیر "أسألك غفرانك أو أطلب غفرانك" یا مفعول مطلق ہے جس کی تقدیر ہے "اغفر غفرانك" ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد یہ دعا کہنے کے دو اسباب ہیں۔ اول اس حالت پر استغفار طلب کرنا ہے جو بغیر ذکر اللہ کے رہ گیا اور دوسری وجہ اللہ تعالیٰ نے کھانا دیکر اس سے انسان کی نشو و نما اور طاقت کے حصول کا بہترین ذریعہ بنا دیا جس کا شکر کما حقہ ادا کیا نہیں جا سکتا اس لیے اس شکر کی کمی پر استغفار طلب کی گئی اس طرح مرقاۃ میں بھی ہے"[8]

اس کے بعد عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ نے ابن العربیؒ کا وہی اشکال اور جواب ذکر کیا ہے جو حافظ سیوطیؒ اور مفتی صاحبؒ نے ذکر کی ہے۔[9]

ترمذیؒ نقل کرتے ہیں:

(عن أبي قتادة قال: قال رسول الله إذا جاء أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس)[10]

"ابو قتادہؓ سے مروی کہ نبی ﷺ نے ارشاد کیا کہ جب تم کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعات پڑھے"

اب اگر کوئی شخص آیا اور بیٹھ گیا اور پھر نماز پڑھی تو کیا اس شخص کو یہ فضیلت حاصل ہو گی۔

عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ تحفۃ الاحوذی' میں لکھتے ہیں:

"حافظ بن الحجرؒ نے فرمایا کہ محدثین کے ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب سنت کی مخالفت کرکے بیٹھ گیا اور پھر نماز شروع کی تو یہ اس کا تدارک نہیں کرے گی۔ یہ بات فکر و تامل کی ہے اس لیے ابن حبان نے صحیح میں نقل کی ہے کہ وہ عبادت گاہ میں آئے پھر نبی ﷺ نے ارشاد کیا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہے؟ تو اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ ان دو رکعتوں کو پڑھو"[11]

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "شريعة سمحة سهلة" کا تقاضا یہ ہے کہ مستحبات میں آسانی اور سہولت کے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور پھر بیٹھ جانے کے بعد بھی نماز کی ادائیگی کا وہی ثواب ملنا چاہئے جو بیٹھنے سے پہلے پڑھنے والے کو ملتا ہے کیونکہ اگر ثواب میں فرق ہوتا تو شارع مقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت بیان میں اس کی ضرور تصریح فرماتے۔

فقہی مسائل کا اختلاف

عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ نے اختلاف کو ایسے ذکر کیا ہے:

" قاریؒ نے فرمایا کہ تکبیر شافعیؒ کے نزدیک 'رکن' ہے جبکہ ہمارے نزدیک 'شرط'۔ پھر حدیث میں جو تکبیر مذکور ہے اللہ کی اس ہدایت "اپنے رب کی بڑائی بیان کرو" اس کا مطلب تعظیم ہے جو کہ عام ہے ہر اس لفظ کے ساتھ جو کہ تعظیم پر دلالت کرتا ہو صرف اللہ اکبر کے ساتھ خاص نہیں اور بعض اخبار آحاد میں اس لفظ مخصوص (اللہ اکبر) کا ذکر ہے پس ان پر عمل لازم ہے حتیٰ کہ جو اس کے کہنے پر طاقت رکھتا ہو تو ان کے واسطے اور الفاظ کہنا مکروہ ہے، جس طرح کہ ہم نے سورۃالفاتحہ کی قراءت کے مسئلے میں اور رکوع اور سجدوں میں تعدیل کے متعلق کہا ہے۔اس طرح کافی میں ہے ابن الھمام نے فرمایا کہ ظاہراً یہ وجوب کا تقاضا کرتی ہے اور مواظبت بغیر ترک نہی بھی اس کی تاکید ہے۔ابن العربی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس چیز کی تاکید کرتی ہے تکبیر تحریمہ نماز کی اجزاء میں سے ایک جزو ہو جیسا کہ قیام، رکوع اور سجدے۔اور یہ قول "التکبیر" اس بات کی طلب کرتی ہے، کہ تکبیر تحریمہ صرف اللہ اکبر کے ساتھ خاص ہو دوسرے الفاظ کے علاوہ جو تعظیم پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ حدیث اللہ کے اس فرمان "واذکر اسم ربه فصلی" کی تخصیص ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے جو کی رائے کے مطابق، وہ الفاظ جو تعظیم پر دلالت کرتے ہیں اس کے ساتھ تکبیر جائز ہے تو وہ احادیث ضعیف ہیں۔اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے، اللہ الاکبر سمیت بھی جائز ہے تو یہ اس طرف کنایہ ہے کہ الف لام معنی میں خلل نہیں ڈالتا۔ابو یوسفؒ نے فرمایا اللہ الکبیر کے ساتھ بھی جائز ہے، تو ہم موقف رکھتے ہیں کہ ابو یوسفؒ اگرچہ حدیث کے لفظ سے یہ نہیں نکلتا مگر ان لفظ میں داخل ہوتا جس کے ساتھ فعل ثابت ہیں"[12]

مسئلہ تدوی بالحرام

ایک اہم مسئلہ جس کا تعلق اس حدیث سے ہے اور اکثر شارحین حدیث نے اس حدیث کے تحت اس پر گفتگو کی ہے وہ حرام اشیاء کے ذریعے علاج کا ہے۔ کہ کیا ان کے ذریعے علاج جائز ہے یا نہیں؟

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ تحریر کرتے ہیں:

"ابن عربیؒ نے فرمایا: یہ روایت صرف ان کی دلیل جو اونٹوں کے پیشاب کے طہارت کے قائل ہیں۔ لیکن کہا گیا ہے آپ ﷺ نے یہ ہدایت بطور علاج دی تھی۔ مگر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے یہ علاج کرنا واجب نہیں پس کیسے حرام کو جائز کر سکتے ہیں؟ پھر جواب یہ کہ جب ایک ایسا شخص جس کے بات پر اعتماد کیا جاتا ہو اس کی خبر دے تو پھر یہ حرام چیز جائز ہو جاتی ہے اور جو ضرورت کی وجہ سے مباح کیا جائے اس کو کھانے کے وقت حرام نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (119:6)

ترجمہ: "پس جس چیز کی طرف انسان مجبور ہو جائے تو اس کو حرام نہیں کہا جاتا جیسے مضطر کے لئے مردار چیز"۔

حافظ ابن حجرؒ ابن عربیؒ کے اس کلام کے بعد لکھتے ہیں: "اس کلام سے اور جن کا یہ کلام متضمن ہے معلوم ہوتا ہے کہ حرام صرف ایک امر واجب کی وجہ سے مباح ہوتا ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا حرام ہے مگر پھر بھی ایک غیر واجب کام یعنی سفر کی وجہ سے رمضان میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔اور دوسرے حضرات کا قول کہ اگر نجس چیز ہوتی تو پھر اس کے سبب علاج ہی جائز نہ ہوتا کیونکہ روایت ہے اللہ نے میرے امت کے لئے حرام میں شفاء نہیں رکھی اور نجس چیز تو حرام ہوتی ہے تو پھر کیسے اس کے ذریعے علاج کی اجازت دی گئی؟ تو جواب یہ کہ یہ حدیث عمومی حالت پر محمول ہے حالت ضرورت میں حرام نہیں جیسے مجبور شخص کے لئے مردار"[13]

جرابوں پر مسح کا بیان

جرابوں پر مسح کرنا ایک اختلافی مسئلہ ہے بعض اہل علم ان کے جائز ہونے کے قائل ہے جبکہ کچھ ان کے عدم جواز کے۔اس بارے میں مبارک پوری نے تفصیلی گفتگو کی ہے۔

"تحفۃالاحوذی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر یہ بولا جائے کہ اس باب کے احادیث تو مطلق ہے جس میں نہ تو نعل کی قید نہ ہی جلد و ثخانت کی۔تو ان ائمہ نے اس کے ساتھ ان قیودات کا اضافہ کیوں کیا؟ میں کہتا ہوں کہ اصل تو پاؤں کا دھونا ہے جو کہ قرآن سے ظاہر ہے اور ان سے عدول ان صورت میں جائز ہے جس وقت ائمہ کسی حدیث کے صحت پر متفق ہوں جیسے موزوں پر مسح کے متعلق احادیث، پس اس صورت میں پاؤں دھونے سے موزوں پر مسح کی طرف عدول کیا جائے گا۔جو احادیث جو رابوں کے متعلق ہیں ان کے صحت سے متعلق ائمہ فن کا کلام ہے، جس طرح تو نے جان لیا اور اس قول کی جانب امام مسلمؒ نے کنایۃً کہا "ظاہرِ قرآن کو ابو قیس اور ہذیل کے سبب ترک نہیں کر سکتے۔"

اسناد حدیث میں موجود رواۃ کا تعارف

(ا): امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں: (عن ابن عمر: عن النبي قال لاتقبل صلاة بغير طهور و لا صدقة من غلول قال هناد في حديثه إلا بطهور)[14]

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ قتیبہ بن سعیدؒ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قوله حدثنا قتيبة: قاف کے پیش اور تاء پر زبر ہے۔ مالکؒ، لیث، ابن لہیعہؒ اور شریکؒ اور ان کے طبقے کے حضرات سے سماعت کی۔ تمام محدثین نے ان سے حدیث نقل کی ہے سوائے ابن ماجہ کے۔ ثقہ

تھے اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ مالداروں میں بھی تھے۔ ابن معینؒ نے اوثق لکھا ہے جبکہ نسائی نے ثقہ اور مامون بولا ہے"[15]

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:

"سماک (سین کے کسرہ اور میم کے تخفیف کے ساتھ) ابن حرب بن اوس، الذہلی، البکری، الکوفی۔ بڑے تابعین میں سے تھے۔ علقمہ کے واسطے جابر بن سمرۃ اور نعمان ابن بشیر سے نقل کرتے اور ان سے اعمشؒ، ابو عوانہؒ و شعبہؒ ان سے نقل کرتے ہیں امام احمدؒ نے ان کو مضطرب الحدیث کہا ہے"[16]

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے کہا ہے کہ عراق میں فن اسماء لرجال کی بنیاد انہوں نے رکھی۔ اس طرح ان کے ولادت وفات وغیرہ کے متعلق لکھتے ہیں:

سفیان ثوریؒ ان کو امیر المؤمنین کہتے ہیں۔ بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے شعبہؒ عمر میں سفیان ثوریؒ سے دس سال بڑے تھے۔

"شعبہ بن حجاج ثمہ البصری ثقہ تھے۔ سفیان ثوریؒ ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے تھے۔ عراق میں فن اسماء الرجال کی شروعات آپ نے کی۔ انتہائی عبادت گزار تھے۔ احمدؒ نے کہا شعبہؒ اسماء الرجال اور احادیث میں غور فکر کے معاملے میں خود ایک امت تھے۔ ۸۲ھ کو ولادت ۱۶۰ھ کو فوت ہوئے۔"[17]

(۲) ترمذیؒ نقل کرتے ہیں:

(عن الشعبي عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول لاتستنجوا بالروث و لا بالعظام فإنه زاد إخوانكم من الجن)[18]

"ابن مسعود سے مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گوبر اور ہڈیوں پر استنجامت کرو کیونکہ یہ تمہارے جن بھائیوں کا کھانا ہے"

اس حدیث کو روایت کے بعد ترمذیؒ لکھتے ہیں:

(قال أبوعيسى وقد روى هذا الحديث إسماعيل بن إبراهيم وغيره عن داود بن إبي هند عن الشعبي عن علقمة عن عبد الله أنه كان مع النبي ليلة الجن الحديث بطوله)

اس کے بعد امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

"وكأن رواية إسماعيل أصح من رواية حفص بن غياث"

"اسماعیل کی روایت حفص بن غیاث کی روایت سے زیادہ اصح ہے"

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:

"ان دو روایتوں کے بیچ فرق یہ ہے کہ اسماعیلؒ کی حدیث مقطوع ہے اور حفص کی حدیث مسند۔اور اسماعیل کی روایت اس لیے اصح ہے کہ حفصؒ نے داوٗد بن ابی آلہند کے ان صحاب سے مخالفت کی ہے جنہوں نے اس سے روایت کی۔اس لیے کہ انہوں نے یہ روایت اس سے مرفوع روایت کی حالانکہ اس سند سے یہ شعبی سے مرفوع نہیں البتہ دوسرے سند سے مرفوع ثابت ہے"[19]

(۳): ترمذیؒ نقل کرتے ہیں:

(عن ابن عمر:عن النبي أنه قال من توضأ على طهر كتب الله به عشر حسنات)[20]

"حضرت ابن عمر سے مروی ہے حضورﷺ نے ارشاد کیا کہ جس شخص نے پاکی کے باوجود وضوء کیا اللہ تعالیٰ ان کے لیے اس کے بدلے دس نیکیاں لکھے گا"

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:

"قوله هذاإسناد مشرقي أى رواة هذا الحديث أهل المشرق وهم أهل الكوفة والبصرة كذا في بعض الحواشي"[21]

"ہذااسناد مشرقی سے مراد رواۃِ حدیث اہل کوفہ واہل مشرق سے ہے ایسے بعض حواشی میں ہیں"

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے اس پر تفصیلی گفتگو کی اور امام نسائی اور ابن حبانؒ کی اس جرح کی وضاحت کی ہے۔ "تحفۃالاحوذی" میں لکھتے ہیں:

"کامل بن علاء اس حدیث میں منفرد ہے امام ترمذیؒ نے اس کے متعلق صحت اور ضعف کا کوئی حکم نہیں لگایا۔ حاکمؒ نے روایت کر کے صحیح کہا جبکہ ابوداوٗد نے اس میں سکوت اختیار کیا ہے۔ تلخیص السنن میں ہے کہ ترمذیؒ و ابن ماجہؒ نے اس حدیث کا استخراج کرتے ہوئے ترمذیؒ کی رائے نقل کی ہے۔ پھر فرمایا ہے کامل بن العلاء نے حمایت کی۔ بعض حضرات نے ان کے متعلق کلام کیا ہے۔ میں نے کہا ابن عدیؒ نے کہا میں نے متقدمین کا اس کے متعلق کوئی کلام نہیں دیکھا اگرچہ ان کے روایات میں بعض چیزوں کو انہوں نے منکر کہا ہے چنانچہ اس کے بغیر امید رکھتا ہوں کہ اس میں کوئی خرابی نہیں۔ امام نسائی بعض دفعہ ان کو غیر قوی اور بعض دفعہ لیس بہ باس کہتے ہیں اور ابن حبان نے ان کے متعلق کہا ہیں کہ اسانید میں تقلیب کرتا تھا اور احادیث مرسلہ کو مرفوع کرتا تھا۔ میزان میں بھی ایسے ہے۔ پس نسائی کا جرح مبہم ہے اور ان کے سوا ان کے دوسرے قول لیس بہ باس کے معارض بھی ہیں۔ابن حبانؒ کے قول کا جواب یہ ہے کہ وہ متشدد تھے۔پس یہ حدیث اگرچہ صحیح نہیں مگر حسن کے درجے سے کم بھی نہیں ہے۔

(۴) :امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں: عبداللہ بن حسن اپنی والدہ فاطمہ بنت حسین سے اور وہ اپنی دادی فاطمہ کبریٰ سے روایت کرتے ہیں رسول ﷺ جب عبادت گاہ میں آتے تو درود پڑھتے اور یہ دعا پڑھتے (رَبِّ اغْفِرْلِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ) اے اللہ میری مغفرت فرما اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول اور جب مسجد سے باہر نکلتے تو درود شریف پڑھتے اور فرماتے (رَبِّ اغْفِرْلِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِکَ)[22]

اس روایت کو نقل کرکے ترمذیؒ سند حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حدیث فاطمہ حسن ہے اور اس کی سند متصل نہیں کیونکہ فاطمہ بنت حسین فاطمہ کبریٰ کو نہ پا سکیں اس لیے کہ حضرت فاطمہؓ نبی ﷺ کی وصال سے صرف چند مہینے حیات رہیں۔"

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے اس کی وضاحت بہت واضح الفاظ میں کی ہے:

"اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے عدم اتصال کا اعتراف کیا ہے پس اس کے بعد فاطمہ بن حسین کی حدیث کو حسن کہا؟ تو جواب یہ کہ دوسرے شواہد کی وجہ سے اور ہم نے مقدمہ میں کہا ہیں کہ امام ترمذیؒ بعض اوقات ایک ضعیف حدیث کو کثرت شواہد کی وجہ سے حسن کہتے ہیں اور یہ روایت ماجہ واحمدؒ نے بھی نقل کیا"[23]

امام ترمذیؒ سے تصحیح و تضعیف حدیث اور رواۃ کے متعلق جرح و تعدیل میں اختلاف

(ا) :ترمذیؒ لکھتے ہیں:

"ابن عباس سے منقول ہے کہ نبی ﷺ دو قبروں کے قریب سے گزرے تو ارشاد کیا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کا سبب کوئی بڑا جرم نہیں۔ ان میں سے ایک پیشاب کرتے وقت احتیاط نہیں کرتا تھا جب کہ دوسرا چغل خوری کرتا تھا"[24]

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

"منصور نے یہ حدیث مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے نقل کی ہے لیکن اس میں طاؤس کا ذکر نہیں (یعنی منصور نے بلاواسطہ طاؤس کے نقل کیا) جبکہ اعمشؒ کی حدیث صحیح ہے۔ میں نے ابوبکر محمد ابن ابانؒ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے وکیعؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اعمشؒ منصورؒ کے مقابلے میں ابراہیم کے سند کو زیادہ یاد کرنے والے ہیں"

عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے بھی اس جگہ امام ترمذیؒ سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ

امام ترمذیؒ نے کس وجہ سے اعمشؒ کی روایت کو ابو معشرؒ کی روایت سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔"تحفۃ الاحوذی" میں لکھتے ہیں:

"مجھے معلوم نہیں کہ کون سی وجہ سے حدیث اعمشؒ اصح ہے کیونکہ جیسے اعمشؒ اس روایت میں متفرد نہیں اس طرح منصورؒ بھی اس روایت میں متفرد نہیں بلکہ حماد، مغیرہؒ اور واصل کی روایت میں اس روایت کی تابع بھی موجود ہیں۔ پس ظاہر یہ ہے کہ ابو معشرؒ اور اعمشؒ کی احادیث دونوں برابر ہیں"[25]

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کا رجحان بھی اس روایت کے ضعف کی طرف ہے اور امام حاکم کے حوالے سے ہی ان کے سند میں موجود روایت کرنے والے پر کلام ہے۔لکھتے ہیں:

"امام ترمذیؒ کی یہ بات بھی مجہول ہے: کیونکہ سلسلہ رواۃ میں یحیٰ بن مسلم ہے جو کہ مجہول ہے۔ نصب الرایہ میں اس روایت کو ذکر کرکے امام ترمذیؒ کے کلام کو نقل کیا۔دار قطنیؒ بھی ان کو ضعیف کہتے ہیں جبکہ ابو حاتمؒ لکھتے ہیں منکر الحدیث تھے اور قابل نہیں تھے۔امام حاکم بھی اس حدیث کو بیان کرتے ہیں کہ ان میں عمر بن فائد کے علاوہ کوئی بھی مطعون راوی نہیں ہے۔"

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: دار قطنیؒ نے متروک لکھا ہے۔حافظؒ نے خلاصہ میں بھی اس کو ذکر کیا لیکن اس میں ایک راوی کے متعلق کلام کیا ہے۔"[26]

توضیح الابواب کے سلسلے میں صحیح نسخوں کی نشاندہی

بعض اوقات امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب کو ایک نام کے ساتھ ذکر کیا ہوتا ہے اور نسخ میں غلطی کی وجہ سے مشہور دوسرا ہوتا جس کی وجہ ما بعد میں ذکر کردہ حدیث اور باب کے درمیان کوئی بھی مناسبت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ترجمۃ الباب میں جس مسئلے کا ذکر ہوتا ہے آگے ذکر شدہ کسی بھی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہوتا، مفتی صاحبؒ اس غلطی کی نشاندہی بڑے اچھے انداز میں فرماتے ہیں۔

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ یوں نقل ہے۔

"وفی نسخة قلمية عتيقة :باب ما جاء فی المسح علی العمامة،وليس فيه ذكر لفظ الجوربين وهوالظاهر"[27]

"اور عتیقہ کے قلمی نسخے میں اس طرح ہے:"باب ما جاء فی المسح علی العمامة" اور اس میں جوربین کے کلمے کا ذکر نہیں اور یہی ظاہر بھی ہے"

جامع الترمذی کے دوسرے جدید شارحین نے یہ بیان کیا" تشریحات ترمذی" میں ہے:

" قلمی نسخہ میں صرف عمامہ کا ذکر ہے جوربین کا ذکر نہیں اور یہ صحیح بھی ہے کیونکہ ایک تو یہ کہ پہلے

باب میں جور بین کا بیان گزرا ہے اور دوسری وجہ یہ اس باب میں احادیث کے اندر جور بین کی ذکر ہے ہی نہیں"[28]

امام ترمذی ترجمۃ الباب کو عنوان قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"باب ما جاء فی مواکلة الجنب والحائض وسؤرهما"[29]

"اور بعض نسخوں میں "جنب" کا بیان نہیں جو ٹھیک بھی ہے اس لیے اس باب کی احادیث میں جنب کا ذکر ہی نہیں ہے"

عام نسخوں کے اندر جنب کا ذکر ہے جبکہ بعض نسخ میں جنب کا ذکر موجود نہیں جو ٹھیک ہے مفتی صاحبؒ نے ان کی تصحیح فرمائی۔ اب جن عام نسخوں میں جنب کا لفظ موجود ہے پھر ان کی کیا شرح کی جائے گی مفتی صاحب نے ان کے جواب کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ بعض شارحین نے تاویل کی" تشریحات ترمذی" میں ہے:

"نسخہ میں جنب کا مذکور ہے جبکہ کچھ نسخوں میں جنب کا ذکر نہیں بظاہر وہیں ٹھیک ہے کیونکہ حدیث باب میں جنب کا ذکر نہیں تو باب میں نہیں ہونا چاہیے لیکن جن نسخوں میں جنب کا ذکر ہے ان کی تاویل یہ ہوگی کہ امام ترمذیؒ نے بطور استنباط یہ لفظ ذکر کیا ہے کیونکہ جب حائضہ کا جھوٹا جائز ہے جو کہ اغلظ نجاست اور حدث ہے تو جنب کا بطور اولیٰ جائز ہوگا"

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے بھی نسخہ کی اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"وفی بعض النسخ و سؤرهما"[30]

ایک اور جگہ توضیح الابواب کے سلسلے میں صحیح نسخوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"باب ما جاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود"[31]

اس میں صحیح نسخوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے ہاں تمام شہروں میں موجود نسخوں میں اس طرح ہیں۔ لیکن ظاہر اور حدیث کے مطابق اس طرح ہونا چاہیے جو کہ بعض نسخوں میں آیا ہے یعنی یہ باب ہے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنا۔

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے بھی نسخوں کی اس غلطی اور صحیح نسخوں کی وضاحت فرمائی ہیں۔ لکھتے ہیں:

"وفی بعض النسخ باب ماجاءفی الرکبتین قبل الیدین وهذا هو یطابقه حدیث الباب"[32]

ترجمۃ الابواب کا مفہوم اور غرض بیان کرنا

بعض اوقات مولانا مبارک پوری دوسری تحقیقات کے ساتھ ساتھ ترجمۃ الباب کا مفہوم ذکر کرتے ہیں کہ امام

ترمذیؒ کا یہ باب قائم کرنے سے مطلب کیا ہے، جس سے پڑھنے والے کو باب کا خاکہ ذہن میں آتا ہے۔ نیچے کچھ مثالیں پیش ہیں۔
امام ترمذیؒ باب قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1. "باب ما جاء فی تعجیل الصلٰوۃ اذا اخرھا الامام"[33]

اس جملے میں آپؒ نے اس ترجمۃ الباب کی وضاحت فرمائی کہ یہاں پر امام سے کون سے امام مراد ہے۔
مبارک پوری صاحبؒ نے یہاں امام جابر کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ وجہ یہ ہے مملکت اسلامیہ میں سرکاری عہدوں پر فائز لوگ مثلاً قاضی اور گورنر وغیرہ جامع مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔اور یہ امام اور سیاہ و سفید کے مالک ہوتے تھے جب ان کا جی چاہتا نماز کے لئے آتے تھے۔لوگ ان کا انتظار کرنے پر مجبور ہوتے تھے اور ان کو نماز کے لیے وقت پر کہنا اور ان کی اجازت کی بغیر نماز پڑھنا اعمال کا ضیاع تھا۔فرمایا کہ جب امام جابر نماز کو اپنے مختار وقت سے مؤخر کرے تو لوگوں چاہیے کہ اپنی نمازیں صحیح وقت پر ادا کریں اور جب امام آجائے تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھیں ان کی یہ نماز نفل ہوگی۔[34]

لغوی کلمات کی تعریف

امام ترمذیؒ "باب ما جاء في مسجد قد صلى فيه مرة" میں روایت کرتے ہیں:

(عن أبي سعيد قال: جاء رجل وقد صلى رسول فقال أيكم يتجر على هذا؟ فقام رجل فصلى معه)[35]

اس حدیث میں دو جگہ لفظ "رجل" آیا ہے۔ باقی شروح میں شارح نے ایک رجل کا ذکر کیا ہے۔ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے "تحفۃ الاحوذی"[36] میں اس رجل کا نام ذکر نہیں کیا ہیں۔
"تحفۃ الاحوذی" میں ہیں:

"قوله فقام رجلٌ هوالصديق الاكبر قال الزيلعى فى نصب الرايه-و فى رواية البيهقى ان الذى قام فصلىٰ ابو بكرؓ "

کلمات میں لغوی اور اصطلاحی معانی کی وضاحت اور وجہ تسمیہ

کلمات کی وضاحت کے سلسلے میں عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ کا کیا منہج رہا ہے؟ ذیل میں چند عبارات سے ان کو واضح کی جاتی ہے اور دوسرے مستند شروحات کے ساتھ ان کا جائزہ بھی لکھا جاتا ہے۔
(۲) امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

"حضرت ابن عباس سے منقول ہے حضور ﷺ دو قبروں پر سے گزرے تو ارشاد کیا: کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑی گناہ کی وجہ عذاب نہیں ہو رہا ان میں یہ ایک شخص تو پیشاپ سے خود کو نہیں بچاتا تھا دوسرا شخص چغل خوری کرتا تھا"[37]

تحفۃ الاحوذی میں ہے:

"اس روایت میں اصحاب القبور کے متعلق تضاد ہے کچھ کی رائے کے مطابق یہ دونوں کافر تھے۔ یہ قول مدینیؒ کا ہے آپ نے حدیث سے مستنبط کیا جو حضرت جابر کی روایت ہے حضور ﷺ بنی نجار کے دو قبروں میں سے گزرے جو جاہلیت میں مرے تھے، پھر آپ نے سنا کہ اس کو پیشاپ اور چغلی خوری کے سبب عذاب ہو رہا ہے۔ کچھ کی رائے یہ ہے کہ اس روایت کی سند اگرچہ قوی نہیں مگر یہ معنیٰ صحیح ہے، کیونکہ اگر یہ دونوں مسلم تھے تو ان کی لیے شاخوں کے خشک ہونے تک شفاعت کیوں کی گئی؟ لیکن جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے تو آپ ﷺ کے لطف و کرم سے عذاب اٹھالیا گیا اور ایک معین مدت تک کے لئے شفاعت کی۔ حافظ نے کہا کہ وہ حدیث جن سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے ضعیف ہے اور امام احمدؒ نے مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ روایت کیا جس میں عذاب کے سبب کا بیان نہیں پھر ابن لہیہ کی تخلیط ہے اور یہ جابر کی حدیث کے موافق ہے جو مسلم نے روایت کی جس کے اندر یہ احتمال ظاہر کیا گیا ہے کہ دونوں کافر تھے۔ اور حدیث سے ظاہر ہے دونوں مسلمان تھے جس طرح ماجہ کی حدیث آپ ﷺ دو قبروں پر سے گزرے۔ اس قول کی نفی ہو گئی دونوں جاہلیت میں مر گئے تھے اور مسند احمد میں ابو امامہ کی حدیث کہ نبی ﷺ جنت اللہ بقیع میں سے گزرے اور فرمایا تم نے آج کس کو یہاں دفن کیا اس سے بھی قول واضح ہے وہ مسلمان تھے کیونکہ بقیع مسلمانوں کا قبرستان ہے اور یہاں پر خطاب بھی مسلمانوں کو ہے اس حدیث میں ہے جس کو احمد اور طبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ ان کو کسی ایسی گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا جن سے بچنا ان کے لئے مشکل تھا بلکہ ان کو غیبت اور پیشاپ کے سبب عذاب دی جا رہی ہے پس یہ قول بھی واضح کرتی ہے یہ دونوں مسلمان تھے کیونکہ کافر کو اگرچہ اسلام کے احکامات ترک کرنے پر عذاب دیا جائے گا مگر اس کے سمیت بالاتفاق اس کفر کے سبب بھی عذاب دیا جائے گا"[38]

عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ نے مسند احمد کے حوالے سے حضرت جابر کی روایت کا بیان کیا ہے وہ مندرج ذیل ہے۔

"جابر سے مروی ہے حضور ﷺ بنی نجار کے قبرستان میں داخل ہوئے تو بنی نجار کے جو جاہلیت میں مر گئے لوگوں کی آوازیں سنی جن کو ان کے قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا تو آپ ﷺ خوف کی وجہ سے اس جگہ سے نکل گئے اور اپنے اصحاب کو فرمایا کہ عذاب قبر سے پناہ مانگو"[39]

امام ترمذی کے حکم کی وضاحت

ترمذی نقل کرتے ہیں:

"عن الشعبي عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول لاتستنجوا بالروث و لا بالعظام فإنه زاد إخوانكم من الجن"[40]

"حضور ﷺ ارشاد فرمایا کہ گوبر اور ہڈیوں پر استنجامت کرو کیونکہ یہ تمہارے جن بھائیوں کا کھانا ہے۔"

پھر ترمذیؒ لکھتے ہیں:

اس کے بعد امام ترمذیؒ لکھتے ہیں: "وكأن رواية إسماعيل أصح من رواية حفص بن غياث"

"اسماعیل کی روایت حفص بن غیاث کی روایت سے زیادہ اصح ہے''

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:

"ان دو روایتوں کے بیچ فرق یہ ہے اسماعیلؒ کی حدیث مقطوع جبکہ حفص کی روایت مسند۔اور اسماعیل کی روایت اس لیے اصح ہے کہ حفصؒ نے داؤد بن ابی آلہند کے ان صحاب سے اختلاف کیا ہے جنہوں نے حدیث لی ہے کیونکہ یہ روایت اس سے مرفوع نقل کی حالانکہ اس سند سے یہ شعبی سے مرفوع نہیں البتہ دوسرے سند سے مرفوع ثابت ہے"[41]

امام ترمذیؒ سے تصحیح و تضعیف حدیث اور رواۃ کے متعلق جرح و تعدیل میں اختلاف

(۳) ترمذیؒ نقل کرتے ہیں:

"حضرت علی سے منقول ہے حضور ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کیا: اے علیؑ میں تمہارے لیے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لیے اس چیز کو برا سمجھتا ہوں جس چیز کو اپنے لیے برا سمجھتا ہوں تم دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو"[42]

اس حدیث کو نقل کرکے اس کے سند میں موجود ایک راوی حارث الاعور کے بارے میں ترمذیؒ لکھتے:

"و قد ضعف بعض أهل العلم الحارث الأعور"

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس کو ضعیف شمار کرتے مختلف محدثین کے حوالے ان کے متعلق جرح نقل کی۔[43]

اس حدیث کو روایت کرکے ترمذیؒ فرماتے ہیں:

"قال أبو عيسى حديث عمرو بن عوف حديث حسن غريب"

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ بھی امام ترمذیؒ کے تحقیق سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"في كون هذا الحديث حسنا كلام فإن في سنده كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف"

"امام کا اس حدیث کو حسن کہنا،اس میں کلام ہے کیونکہ اس کے سند میں کثیر بن عبد اللہ ہے"

نتائج

1. مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری نے امام ترمذیؒ سے تصحیح و تضعیف حدیث اور رواۃ کے متعلق جرح و تعدیل میں کئی مواقع پر اختلاف کیا ہے۔
2. بعض مقامات پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے امام ترمذی کے حکم کی وضاحت فرمائی ہے۔
3. جامع ترمذی کے بعض کلمات میں لغوی اور اصطلاحی معانی کی وضاحت اور وجہ تسمیہ کو ذیب قرطاس کیا ہے۔
4. بعض اوقات مولانا مبارک پوری دوسری تحقیقات کے ساتھ ساتھ ترجمۃ الباب کا مفہوم ذکر کرتے ہیں کہ امام ترمذیؒ کا یہ باب قائم کرنے سے مطلب کیا ہے جس سے پڑھنے والے کو باب کا خاکہ ذہن میں آتا ہے۔
5. بعض اوقات امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب کو ایک نام کے ساتھ ذکر کیا ہوتا ہے اور نسخ میں غلطی کی وجہ سے مشہور دوسرا ہوتا ہے جس کی وجہ مابعد میں ذکر کردہ حدیث اور باب کے درمیان کوئی بھی مناسبت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ترجمۃ الباب میں جس مسئلے کا ذکر ہوتا ہے آگے ذکر شدہ کسی بھی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہوتا۔
6. جرابوں پر مسح کرنا ایک اختلافی مسئلہ ہے بعض اہل علم ان کے جائز ہونے کے قائل ہے جبکہ کچھ ان کے عدم جواز کے۔ اس بارے میں مبارک پوری نے تفصیلی گفتگو کی ہے۔
7. ایک اہم مسئلہ جس کا تعلق اس حدیث سے ہے اور اکثر شارحین حدیث نے اس حدیث کے تحت اس پر گفتگو کی ہے وہ حرام اشیاء کے ذریعے علاج کا ہے۔ کہ کیا ان کے ذریعے علاج جائز ہے یا نہیں؟ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے اس کے عدم جواز کی طرف میلان ظاہر کیا ہے۔
8. بعض اوقات کچھ کلمات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں پر ان الفاظ کا اگر لغوی معانی مراد لیا جائے تو اس سے مکمل حدیث کا مفہوم غلط ہو جاتا اور حدیث نبوی ﷺ کا جو مطلب ہوتا ہے وہ صحیح طور پر سامنے نہیں آتا۔ایسے مواقع پر ضروری ہوتا ہے کہ ان کلمات اور الفاظ کی لغوی تحقیق ایسی معنی سے کی جائے کہ حدیث کا مفہوم صحیح سمجھ میں آجائے۔

*****

References

1. Hazrat Maulana Muhammad Ishaq Bhatti, *Dabestan Hadith* (Lahore, Maktaba Qudsia, 2008), 18.

حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی، دبستان حدیث (لاہور، مکتبہ قدسیہ، 2008)، 18۔

2. Abd al-Rahman Mubarak Puri, *Mukhalat Muhadith Mubarak Puri* (Faisalabad, Uloom al-Suraiya Institute, 2022), 25.

عبدالرحمٰن مبارک پوری، مقالات محدث مبارک پوری (فیصل آباد، ادارہ العلوم الاثریہ، 2022ء)، 25۔

3. Maulana Hakeem Syed Abdul Hai, *Nizhatul Khawatar*, Vol. 8 (Lahore, Hafizi Book Tipu, 2000), 232.

مولانا حکیم سید عبدالحئ، نزھۃ الخواطر، ج8 (لاہور، حافظی بک ٹیپو، 2000)، 232۔

4. Mulana Abdul Rehman Mubarik Puri, *Muqadma Tuhfa tul-Ahwazi Sharah Jamia Tirmaidh*, Vol. 1 (Beirut, Dar al-Fikr, nd.), 3.

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، ج1 (بیروت، دارالفکر، سن ندارد)، ، 3۔

5. Mulana Obaidullah Rehman Mubarakpuri, *Majmohe Safaat*, Vol. 4 (Karachi, Maarif Islamia, 2002), 1626.

مولانا عبیداللہ رحمان مبارکپوری، مجموعی صفحات، ج4 (کراچی، معارف اسلامیہ، 2002)، 1626۔

6. Imam Tirmaidh, *Sunan Tirmaidh*, Vol. 1 (Lahore, Nomaniya Kutab Khana, 2003), 57.

امام ترمذی، سنن ترمذی، ج1 (لاہور، نعمانیہ کتب خانہ، 2003)، 57۔

7. Ibid, 7.

ایضاً، 7۔

8. Abdul Rehman *Mubarik Puri*, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 1 (Lahore, Maktaba Islamiya, 2001), 50.

عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ج1 (لاہور، مکتبہ اسلامیہ، 2001ء)، 50۔

9. Ibid, 51.

ایضاً، 51۔

10. Ibid.

ایضاً۔

11. Ibid, Vol. 2, 257.

ایضاً، ج2، 257۔

12. Ibid, Vol. 1, 37.

ایضاً، ج1، 37۔

13. Ibid, 244, 245.

ایضاً، 244، 245۔

14. Imam Tirmꞌidh, *Sunan Tirmꞌidh*, Taqabal Salawat Baghair Tahoor, 101.

امام ترمذی، *سنن ترمذی*، تُقْبَلُ صَلواةٌ بِغَيْرِ طُہور، 101۔

15. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 1, 19.

عبد الرحمٰن مبارک پوری، *تحفۃ الاحوذی*، ج1، 19۔

16. Ibid, 20.

ایضاً، 20۔

17. Ibid, 42.

ایضاً، 42۔

18. Imam Tirmꞌidh, *Sunan Tirmꞌidh*, Bab Mah Jah fi Karayata Mah Yastanji Baha, 101.

امام ترمذی، *سنن ترمذی*، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَا يُسْتَنْجَى بِهِ، 18۔

19. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, 90.

عبد الرحمٰن مبارک پوری، *تحفۃ الاحوذی*، 90۔

20. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, Abwaab Al-teharat 1 Baab (Mah Jah fi) Al-Wazo lilkul Slaat (44), Hadith 59.

امام ترمذی، *سنن ترمذی*، ابواب الطهارة(1) باب (ماجاء فی) الوضوء لکل صلاة(۴۴)، حدیث: 59۔

21. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 2, 233.

عبد الرحمٰن مبارک پوری، *تحفۃ الاحوذی*، ج2، 233۔

22. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, Vol. 2, 314.

امام ترمذی، *سنن ترمذی*، ج2، 314۔

23. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 2, 543.

عبد الرحمٰن مبارک پوری، *تحفۃ الاحوذی*، ج2، 543۔

24. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, Vol. 2, 314.Abwab al-Taharat 1 Bab Mah Jah fi al-Tashdeed fi albol 53, Hathid: 70.

امام ترمذی، *سنن ترمذی*، ابواب الطهارة(1) باب ماجاء فی التشدید فی البول(53) حدیث: 70۔

25. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 1, 377.

عبد الرحمٰن مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ج1، 377۔

26. Ibid, Vol. 2, 342.

ایضاً، ج2، 342۔

27. Ibid, Vol.1, 341.

ایضاً، ج1، 341۔

28. Hazrat Mulana Kamaluddin, *Tashrihat Tirmaidh*, Vol. 1 (Lahore, Maktaba al-Furqan, 2003), 321.

حضرت مولانا کمال الدین، تشریحات ترمذی، ج1 (لاہور، مکتبہ الفرقان، 2003)، 321۔

29. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, Vol. 2, 101.

امام ترمذی، سنن ترمذی، ج2، 101۔

30. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 1, 451.

عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃالاحوذی، ج1، 451۔

31. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, Vol. 2, 197.

امام ترمذی، سنن الترمذی، ج2، 197۔

32. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 2, 197.

عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃالاحوذی، ج2، 197۔

33. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, Vol. 3, 15.

امام ترمذی، سنن ترمذی، ج3، 15۔

34. Mulana Saeed Ahmad Sahib Palan Puri, *Tuhfatul Al-Ma'i*, Vol. 1 (no, nd, nd.), 476.

مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری، تحفۃالالمعی، ج1 (شہر ندارد، ناشر ندارد، سن ندارد)، 476۔

35. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, 220.

امام ترمذی، سنن الترمذی، باب مَا جَاءَ فِي الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ مَرَّةً ، 220۔

36. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 2, 6.

عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃالاحوذی، ج2، 6۔

37. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, Vol. 1, 70.

امام ترمذی، سنن ترمذی، ج1، 70۔

38. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 1, 232.

عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃالاحوذی، ج1، 232۔

39. Imam Ahmad bin Hanbal, *Musnad Ahmad* (Beirut, nd., 1987), Musnad Abdullah bin Jaber, Hadith: # 14158.

امام احمد بن حنبل، مسند احمد (بیروت، ناشر ندارد، 1987)، مسند عبداللہ بن جابر، رقم حدیث: 14158۔

40. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, Vol. 1, 18.

امام ترمذی، سنن ترمذی، ج1، 18۔

41. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 1, 90.

عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ج1، 90۔

42. Imam Tirmidhi, *Sunan Tirmidhi*, 282.

امام ترمذی، سنن ترمذی، 282۔

43. Abdul Rehman Mubarik Puri, *Tuhfa tul-Ahwazi*, Vol. 2, 158.

عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ج2، 158۔

Editorial

The 58th issue of the Quarterly Research Journal *Noor-e-Marfat* is here. The 1st paper of this issue is entitled as "Interfaith Harmony in the Context of Surat-i-Taiba - An Analytical Study". According to this paper, all the prophets (peace be upon them) have taught peace, love and harmony to their nations. This is the reason why there are highly important examples for Muslims to behave tolerantly with followers of other religions in the biography of the Holy Prophet of Islam (a.s). This paper prescribes that the followers of Holy Prophet (a.s) should follow this noble practice and stop any actions that lead to anarchy, violence, narrow-mindedness and religious hatred in the human society.

According to Islam, in addition to spiritual instructions, this is also an obligation of the parents to fulfil the material needs of their children to bring them to perfection. According to Islam, the most important responsibilities of parents for the physical development of children include that they fulfill the material and physical needs of children and take special care of their food, sports, play and growth and teach them modern skills. In order to highlight the importance of this topic, the 2nd paper of this issue is entitled as "Responsibilities of Parents for Physical Upbringing of Children in the Light of Quran and Hadiths".

3rd article of this issue is related to another important religious responsibility of Muslims. In fact, in the Holy book (Quran) and the Sunnah of the Holy Prophet (a.s), Muslims have been given a clear order to love and be kind to the *Ahl al-Bayt* of the Prophet. Unfortunately, some Muslims show laziness in showing love and obedience to Imams from *Ahl al-Bayt* (peace be upon them). In this article under the title "The Excellence and Superiority of the Ahl al-Bayt (peace be upon them) from the viewpoint of the 4 Imams", the four major imams of

Muslims, namely Imam *Abu Hanifah*, Imam *Malik*, Imam *Ahmad bin Hanbal* and Imam *Shafi'i*, are the Imams of the Muslims. The association with the *Ahl al-Bayt* (peace be upon them) has been highlighted and it has been proved that according to the 4 Imams, the Imams from the Ahl al-Bayt are the ones with the same attributes, who are the most superior in virtues and they deserve to be loved and obeyed.

The topic of the 4th paper is veil. In this paper titled as "The Veil: in the Teachings of Islam and other Religions" the importance of the most effective factor in protecting human chastity has been highlighted. The content of this paper is that Hijab is not just a piece of cloth, it is the reality of a virtuous life. This is the reason why the protection of hijab is not only the order of the religion of Islam, but it is the voice of human conscience and the order of all religions. According to most religions, hijab is a woman's modesty and necessity.

The 5th article under the title "Historiography and Muslims" is a translation of the preface of the book Rasool Jafarian's book "Political History of Islam- The Biography of the Gods' Messenger (PBUH)". In this paper, the historical mindset and historical legacy of Arabs before Islam, the importance of historiography among Muslims after the emergence of Islam, the attention of Muslim rulers on historiography, the effects of historical writings of other nations on Arabs, historiography among Muslims. Various genres, as well as Muslim biographies and biographies and historiography, are examined. This paper provides an excellent method of research in history for those working on Muslim history.

The final paper of this issue, entitled "*Tuffa –Tul- Ahwazi Sharah Jamia Tirmizi*- An Analytical Review of the Style of Mulana Abdul Rehman Mubarik Puri" deals with the art of bibliography. In this paper, as an expert muhadith, Him Abdul Rahman bin Abdul Rahim Mubarakpuri's distinctions of the demonstrations of *Jamiah Tirmidhi* have been described.

According to the author, the biography of the narrators of Jama Tirmidh *Jamiah Tirmidhi,* the identification of Imam *Tirmidhi's* efforts in correcting the hadiths, the explanation of textual difficulties, the identification of incorrect interpretations of the hadiths, and the identification of the right way in different religions are the excellent features of this book.

This issue of Quarterly Research Journal *Noor-e- Marfat*, dominated by these 6 scholarly articles, will surely quench the thirst of knowledge of our readers. We pray to *Allah Ta'ala* to bestow the best reward on this presentation to the paper writers and our team and to increase the insight of our readers. (آمین)!

Dr. Sheikh Muhammad Hasnain
Editor Quarterly *Noor-e-Ma'rfat*

NATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Humauoon Abbas
Islamic Studies Department, Govt. College University, Faisalabad.

Dr. Hafiz Tahir Islam
Islamic Studies Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Dr. Aafia Mehdi
Islamic Studies Department, National University of Modern Languages, Islamabad.

Dr. Syed Qandil Abbas
International Relations Department, Quaid-I-Azam International University, Islamabad.

Dr. Zahid Ali Zahidi
Islamic Studies Department, University of Karachi.

Dr. Muhammad Riaz
Islamic Studies Department, University of Baltistan, Skardu.

Dr. Muhammad Shakir
Psychology & Human Development Department, University of Bahawalpur.

Dr. Muhammad Nadeem
Ph.D. Education, Govt. Sadiq Egerton College Bahawalpur.

Dr. Raziq Hussain
Ph.D International Relations NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat. Islamabad.

INTERNATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Waris Matin Mazaheri.
Islamic Studies Department, Jamia Hamdard, New Delhi, India.

Dr. Syed Zawar Hussain Shah
Ph. D. Quranic Sciences and Hadith, Anjuman-e-Hussani, Oslo, Norway.

Dr. Syed Ammar Yaser Hamadani
Ph.D Quran & Law, Al Mustafa International University Iran.

Dr. Ghulam Raza Javidi
History Department, Katum-un-Nabieen University, kabul, Afghanistan.

Ghulam Jaber Mohammadi
Ph.D. Quran & Educational Sciences, Almustafa International University, Iran.

Dr. Ghulam Hussain Mir
Ph. D. Comparative Hadith Sciences, Almustafa International University, Iran.

Dr. Shahla Bakhtiari
History Department, Alzahra University, Tehran, Iran.

Dr. Faizan Jafar Ali
Urdu & Persian Organization Pura Maroof Mau U.P. India.

Composer & Designer: **Babar Abbas**

Editor-in-Chief & Publisher:

Syed Hasnain Abbas Gardezi

Chairman Noorul Huda Trust, Islamabad.

. MANAGERIAL BOARD

Editor:

Dr. Muhammad Hasnain

Ph.D. Islamic Theology & Philosophy, NoorulHuda Trust®, Islamabad.

Asst. Editor:

Dr. Nadeem Abbas Baloch

Ph.D. Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad.

Asst.Research Affairs:

Dr. Muhammad Nazir Atlasi

Ph.D. Quranic Sciences, Jamia-tu-Raza Registered, Islamabad.

Advisor to Editor:

Dr. Sajid Ali Subhani

Ph.D. Arabic literature, Jamia-tu-Raza Registered, Islamabad.

IT Supervisor:

Dr. Zeeshan Ali

Ph.D. Computer Sciences.

IT Co-ordinator:

Fahad Ubaid

MS(CS).

EDITORIAL BOARD

Dr. Hafiz Muhammad Sajjad

Islamic Studies Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Dr. Ayesha Rafique

Islamic Studies Department, Gift University, Gujranwala.

Dr. Abdul Basit Mujahid

History Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Dr. Roshan Ali

Islamic Studies Department, IMCB, Islamabad.

Dr. Karam Hussain Wadhoo

Islamic Culture Department, Regional Directorate of Colleges, Larkana.

Dr. Ali Raza Tahir

Philosophy Department, Punjab Univeristy, Lahore.

Dr. Zulfiqar Ali

History, NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat.

Dr. Syed Nisar Hussain Hamdani

Ph.D. Economics, (Divine Economics), Chairman Hadi Institute Muzaffarabad AJK.

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 13 Issue: 4 Serial Issue: 58

Oct. to Dec. 2022 (Rabi ul Awal to Jamadi ul Awal 1444 Hijri)

Applied for Recognition by

Higher Education Commission, Pakistan

Editor

Dr. Muhammad Hasnain

ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-1002-153X

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk+noor.marfat@gmail.com

Publisher: Noor Research and Development (Privte.) Limited.

Registration Fee: Pakistan, India: PKR:1000; Middle East: $70; Europe, America, Canada: $150

Indexed in

www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

EBSCOhost
https://www.ebsco.com/

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.tehqeeqat.org/urdu/journalDetails/132

https://orcid.org/0000-0001-593-4436

Applied for Indexation

https://www.brill.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/

Websites

http://nooremarfat.com

https://www .nmt.org.pk/

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 13 Issue: 4 Serial Issue: 58 Oct. to Dec. 2022

- **Historiography and Muslims**
- **The Veil: in the Teachings of Islam and other Religions**
- **Interfaith Harmony in the Context of *Sirah-e Taiba* (An Analytical Study)**
- **The Excellence and Superiority of Ahl al-Bayt (a.s) From the View Point of 4 Imams**
- **Responsibilities of Parents for Physical Upbringing of Children in the light of Quran and Hadiths**
- ***Tuffa Tul- Ahwazi Sharah Jamia Tirmizi*_ An Analytical Review of the Style of Mulana Abdul Rehman Mubarik Puri**

Publisher: Noor Research and Development (Private Limited)